جلد 2 شمارہ 9 نومبر 2000ء شعبان المعزم 1421ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید' اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا' تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات' اہل واعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت' اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ

آدمیت

فلاح گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

جلد 2 شمارہ 9 نومبر 2000ء شعبان المعظم 1421ھ

قیمت ———— 15/- روپے سالانہ فنڈ ———— 150/- روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
عبدالقیوم ہاشمی
تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: time005@samw.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

قارئین محترم! اللہ تعالیٰ کا کس زبان سے شکر ادا کیا جائے جس نے ہمارے آباؤ اجداد کی بے مثال قربانیوں کو قبول فرما کر ہمیں ان گنت نعمتوں سے مالا مال خطہ ارض پاکستان عطا کیا تاکہ ہم اللہ کے دین کے نفاذ کی بدولت پر امن اور سلامتی والی زندگی گذار سکیں۔ یہی نہیں بلکہ ہمیں یہ بھی فرض سونپا گیا کہ ہم دنیا کے سامنے اسلام کی برکات کا نمونہ بھی پیش کریں تاکہ سسکتی ہوئی پوری انسانیت براہ راست اس کا مشاہدہ کر کے اسلام کی خوبیوں سے آگاہ ہو اور اسے قبول کر کے دنیا اور آخرت میں پر سکون زندگی گذارے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی ہم نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے وعدوں کو فراموش کر دیا اور اسلام کا نام محض حصول حکومت کا ذریعہ بن گیا۔ اس منافقانہ طرز عمل سے بحیثیت قوم اللہ تعالیٰ نے ہم پہ بھوک اور خوف کو مسلط کر دیا جس کے اثرات اب ہر پاکستانی محسوس کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بھوک کی وجہ سے خود کشیاں، جرائم میں اضافہ اور امن و امان مفقود ہو چکا ہے اور خوف کی وجہ سے ٹینشن اور ذہنی امراض بڑھتے جا رہے ہیں۔ بھوک کے عذاب کی وجہ سے 40% پاکستانی غربت کی لائن سے نیچے کی سطح پہ زندگی گذار رہے ہیں اور جو امیر لوگ ہیں وہ مستقبل کے خوف کی وجہ سے ملک سے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔

اگر پوری قوم نے اب بھی ہوش کے ناخن نہ لئے تو مزید مصائب کا نزول ممکن ہے۔ ابھی ہمیں انگریز اور ہندو کی غلامی سے نجات حاصل کئے صرف 53 برس ہوئے ہیں اور ہم پھر اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ ہمیں پھر غیروں کی غلامی کرنا پڑے۔ اس مہلت سے ہمیں فائدہ اٹھانا چاہیے اگر مزید غفلت برتی گئی تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ ایسی مردہ ضمیر قوموں کو نیست و نابود کر دیتے ہیں اور دین اسلام کے نفاذ کے لئے کسی اور قوم کو فرائض سونپ دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"پانچ برائیاں ایسی ہیں کہ اگر تم ان میں مبتلا ہوئے اور یہ تمہارے اندر گھس آئیں تو بہت برا ہو گا"

1۔ زنا! یہ اگر کسی گروہ میں اعلانیہ ہونے لگے تو انہیں ایسی ایسی بیماریاں لاحق ہوں گی جو تم سے پہلوں میں نہ تھیں۔

2۔ ناپ تول میں کمی! یہ برائی کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر قحط اور خشک سالی مسلط کرتا ہے اور ظالم اقتدار کے ظلم کا نشانہ بنتی ہے۔

3۔ زکوۃ نہ دینا! یہ خرابی جن لوگوں میں پیدا ہو جائے ان پر آسمان سے پانی برسنا رک جاتا ہے۔ اگر ان علاقوں میں جانور یا چڑیا نہ ہوں تو ذرا بھی بارش نہ ہو۔

4۔ اللہ و رسول سے غداری و عہد شکنی! یہ خرابی جب رونما ہوتی ہے تو اللہ ان پر غیر مسلم دشمن مسلط کر دیتا ہے۔

5۔ اگر مسلمان حکمران اللہ کی کتاب کے مطابق حکومت نہ کریں تو اللہ تعالیٰ مسلم معاشرے میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں اور وہ واپس میں کشت و خون کرنے لگتے ہیں۔

لہٰذا بحیثیت مسلمان اور پاکستانی کے ہم سب پہ یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنی بھولی ہوئی ذمہ داری کو ذہن نشین کر کے اسلامی مقاصد کے حصول کی خاطر دن رات کام کریں۔ پھر انشاء اللہ بہت جلد پاکستان موجودہ بحران سے نکل کر خوشحالی اور اللہ کی رضا کی جانب گامزن ہو جائے گا۔

فقلت استغفروا ربکم انه کان عفارا○ یرسل السماء علیکم مدرارا○ ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انهرا○ مالکم لا ترجون لله وقارا○ (سورہ نوح آیات 10 تا 13)

ترجمہ! "تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو یقیناً" وہ معاف کرنے والا ہے (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ) تم پہ آسمان سے موسلادھار بارشیں برسائے گا اور تمہیں اموال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغات و انہار بنا دے گا۔ کیا ہوا ہے تم کو کہ کیوں نہیں اللہ سے سربلندی کی امید رکھتے"

اس وقت موجودہ حکومت کے پاس نفاذ اسلام کا ایک بہت ہی نادر موقع ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ قرآن و سنت کو سپریم لاء کے طور پر نافذ کر دیں۔ اس سے ہمارے 75 فی صد مسائل فوراً" حل ہو جائیں گے۔ IMF اور ورلڈ بینک کے سودی جال سے نجات بھی مل جائے گی کیونکہ قرآن کو سپریم لاء تسلیم کرنے کا مطلب ہر قسم کے سودی لین دین سے نجات ہے۔ قرآن میں مسلمانوں کو دفاعی ہتھیاروں میں اضافے اور ان کی ترقی کا حکم سورہ انفال میں آچکا ہے لہٰذا CTBT پہ دستخط کرنے کا جواز خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس طرح "عوامی اتفاق رائے" جیسی تاویلات کا

خاتمہ بھی ہو جائے گا۔ یعنی عوامی رائے کی بجائے اللہ کے حکم کو فوقیت مل جائے گی۔ اگر حکومت نے قرآن و سنت کو سپریم لاء کے طور پر نافذ کر دیا تو تمام اختلافات اور انتشار خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اسی طرح ہمارے دیگر مسائل کا حل بھی قرآن و سنت سے بہ آسانی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اگر موجودہ حکمران نفاذ اسلام سے اس لئے مانع ہیں کہ کہیں انکا اقتدار نہ ختم ہو جائے تو ہمارے پاس زندہ مثالیں موجود ہیں کہ جن حکمرانوں نے مغربی قوتوں سے ٹکرلی ہے وہ طویل حکمرانی کر رہے ہیں لیبیا، شمالی کوریا اور کیوبا اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

پاکستان کی تمام سیاسی و جہادی تنظیموں کو چاہیے کہ وہ سب مل کر اقتدار کی خواہش کو ذہن سے نکال کر صرف نفاذ اسلام کے لئے متحد ہو کر کام کریں اور ارباب اقتدار پہ یہ دباؤ بڑھا دیں کہ قیام پاکستان کا مقصد صرف اور صرف نفاذ اسلام اور دین اسلام کی سربلندی ہے۔ اگر اسلامی جماعتوں نے اس نہج پہ مخلص ہو کر کام کیا تو یقیناً خلافت بھی انعام کے طور پہ اللہ تعالیٰ انہی کو عطا فرمائیں گے۔

ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتیں خالصتاً حضور نبی کریم ﷺ کے مشن کو فروغ دیں اور اتحاد قائم رکھیں تو انشاء اللہ خلافت و اقتدار پکے ہوئے پھل کی طرح انہی کی جھولیوں میں آگرے گا۔

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشان ہو جا
رخت بردوش ہوائے چمنستان ہو جا
ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا
نغمہ موج سے ہنگامہ طوفاں ہو جا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

یا اللہ! آپ ہمارے گناہوں کو معاف فرما دیں اور ہمیں ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما دیں اور اپنے ذکر کی برکت سے ہمارے ایمانوں کو مضبوط کر دیجئے اور ہمیں غالب و کامران کر دیجئے۔ آمین یا رب العالمین۔

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(پروفیسر قاضی حلیم فضلی)

الزانیه والزنی فاجلدوا کل واحد منهما مائه جلدة ولا تاخذکم بهما رافه فی دین الله ان کنتم تومنون (سورہ نور۔2)

ترجمہ! ”زانیہ عورت اور زانی مرد' دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور ان پر ترس کھانے کا جذبہ اللہ کے دین کے معاملے میں تم کو دامنگیر نہ ہو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر و تشریح

یہ آیت پارہ اٹھارہ سورہ النور کی دوسری آیت ہے۔ اس سے پہلی آیت میں خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے اور اس کے احکامات کو ہم نے فرض کیا ہے جن میں صاف صاف ہدایات نازل کی ہیں۔ اس مختصر مگر جاندار اور زور دار تمہید کے بعد سب سے پہلے زناکار عورت اور زناکار مرد کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سورت کی تمہید کا انداز بیان صاف بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان احکامات کو کتنی اہمیت دیتے ہیں۔

زنا کی تعریف اور مفہوم

زنا کی تعریف اور مفہوم سے ہر شخص واقف ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کسی رشتہ نکاح کے بغیر مباشرت کریں۔ اس فعل کا اخلاقاً' مذہباً' یا معاشرتی حیثیت سے معیوب ہونا ایسا فیصلہ ہے کہ جس پر قدیم زمانہ سے لے کر آج تک ہر زمانہ کے لوگ اور معاشرے متفق رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت خود زنا کے حرام کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ انسانی تمدن اور معاشرت کی پیدائش ایک مرد اور ایک عورت کے مل کر رہنے' ایک گھر' ایک خاندان وجود میں لانے سے ہے۔ پھر خاندانوں کے درمیان رشتوں کا پیدا ہونا ہی انسانی تمدن اور معاشرت کہلاتا ہے۔ اگر عورت اور مرد گھر اور خاندان بنانے اور تمدن کی تخلیق سے قطع نظر محض لطف و لذت کے لئے ملنے لگیں' ان میں نکاح کی پائیداری اور وفاداری کا تعلق نہ ہو تو انسان حیوانات کی طرح بکھر جائیں گے۔ اجتماعی زندگی کی جڑ کٹ جائے گی اور وہ بنیاد باقی نہ رہے گی جس پر تہذیب اور تمدن کی بنیاد

رکھی جاتی ہے۔ اس لئے مرد عورت کا آزادانہ تعلق جو کسی معلوم و معروف اور تسلیم شدہ وفاداری کے عہد و پیمان پر نہ ہو۔ جسے اسلامی معاشرے میں نکاح کہا جاتا ہے' انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام کا قانونی نکتہ نظر

اسی وجہ سے انسان زنا کو ہر زمانے میں سخت عیب' بڑی بداخلاقی اور مذہبی لحاظ سے شدید گناہ سمجھتا رہا ہے۔ دوسرے مذاہب اور قوانین کے برعکس اسلام زنا کو ایسا جرم سمجھتا ہے جس کی سزا لازمی ہو اور شادی شدہ ہو کر زنا کرنا اسلام کے نزدیک زنا کے جرم کو اور بھی شدید کر دیتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ مجرم مرد نے اپنی بیوی سے عہد شکنی کی ہے یا بیوی نے شوہر کے حق میں بددیانتی اور وعدہ نکاح میں عہد شکنی کی ہے اور دوسرے کے بستر پر دست درازی کی ہے بلکہ یہ جرم اس بنا پر شدید ہے کہ مجرم نے اپنی خواہش نفس کا جائز ذریعہ ہوتے ہوئے ناجائز ذریعہ کیوں اختیار کیا۔ اسلام جرم زنا کو اس نکتہ نظر سے دیکھتا ہے کہ اگر اس فعل کی آزادی ہو جائے تو ایک نوع انسانی کی اور دوسری طرف تمدن انسانی کی جڑ کٹ جائے گی۔ نوع انسانی کی بقاء اور تمدن انسانی کے قیام اور تسلسل کے لئے ناگزیر ہے کہ عورت اور مرد کا تعلق صرف قانون کے مطابق اور معروف و معلوم رابطے کے مطابق ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب آزادانہ تعلقات کی گنجائش کو بالکل ختم کر دیا جائے۔ آزادانہ تعلق کی صورت میں گھریلو اور خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھالنے کے لئے کسے ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور کون یہ ذمہ داری اٹھانے پر تیار ہو گا۔

2۔ اسلام انسانی معاشرے کو زنا کی گندگی سے بچانے کے لئے صرف سزا کے قانون بنانے اور انہیں نافذ کرنے پر اصرار نہیں کرتا بلکہ زنا کی حد سے دور اور بہت پہلے وسیع پیمانے پر اصلاح اور انسدادی تدابیر بھی سکھاتا ہے۔ تاکہ زنا اور اس کی سزا کی نوبت ہی نہ آئے۔ اسلام سب سے پہلے نفس کی اصلاح کرتا ہے' خدا کی عالمگیر طاقت کا خوف دلاتا ہے۔ آخرت کی بازپرس کا احساس دل میں بٹھاتا ہے۔ خدا کے عذاب کا ڈر پیدا کرتا ہے۔ خدا کی اطاعت اور ایمان کا جذبہ جگاتا ہے۔ یہ تمام مضامین قرآن کریم میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں۔

پھر ان احکامات کے بعد انسانوں کے لئے نکاح کی ممکنہ آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ ایک بیوی سے تسکین نہ ہو تو چار تک سے جائز تعلق کی اجازت دیتا ہے۔ نباہ نہ ہو سکے' دل نہ مل سکیں تو مرد کو

طلاق اور بیوی کو خلع کی سہولت دیتا ہے۔ میاں بیوی کی ناموافقت کی صورت میں خاندانی پنچایت سے لے کر سرکاری عدالت تک رجوع کا راستہ کھول دیتا ہے تاکہ مصالحت ہو جائے ورنہ خاوند بیوی ایک دوسرے سے آزاد ہو کر جہاں دل چاہے دوسرا نکاح کرلیں۔ یہ سارے احکامات سورہ بقرہ، سورہ نساء اور سورہ طلاق میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی سورہ نور میں بن بیاہے مرد اور بن بیاہی عورتوں کو سخت ناپسند کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کے جلد نکاح کر دیئے جائیں، حتی کہ غلاموں اور لونڈیوں کو بھی مجرد نہ چھوڑا جائے۔ غرض اسلام معاشرے سے ان اسباب کا خاتمہ کرتا ہے جو زنا کی ترغیب و تحریص کا باعث بنتے ہیں اور جنہیں گزشتہ صفحات میں بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے۔ جس سے اصلاح کی پوری سکیم سمجھ میں آسکتی ہے۔ زنا کی یہ سزا اس ساری سکیم کے اختیار کرنے کے بعد مقرر ہوتی ہے کہ اگر داخلی اور خارجی اصلاح تدابیر کے باوجود شریر النفس لوگ جائز طریقہ کو چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے خواہش نفس پوری کریں تو ان کی کھال ادھیڑ دی جائے اور ایسے ایک بدکار کو سزا دینے سے معاشرے کے دوسرے لوگوں کا آپریشن کر دیا جائے جو ایسا میلان رکھتے ہوں۔

یہ سزا محض جرم کا انجام نہیں بلکہ یہ اعلان ہے کہ اسلامی معاشرہ بدکاروں کی تفریح گاہ نہیں جس میں کوئی اخلاقی حدود سے آزاد ہو کر مزے لوٹتا پھرے۔ اسلام کے اس نکتہ نظر سے کوئی شخص اسلام کی اس صلاحی سکیم کو سمجھے بغیر اعتراض کرے تو وہی نادان کر سکتا ہے جو اسلام کے مزاج اور اس کی معاشرتی اصلاحی سکیم کو سمجھے بغیر دانشور اور مصلح بن بیٹھا ہے یا وہ مفسد لوگ اس سزا پر اعتراض کر سکتے ہیں جن کی نیت اصل مقصد کو بدل کر جنسی آزادیوں کی خواہاں ہے۔

اسلامی قانون زنا کی تفصیل

زنا کو قابل سزا فعل ۶ھ میں قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت یہ قانونی جرم نہ تھا۔ جس پر پولیس یا عدالت کوئی کاروائی کرے بلکہ یہ ایک معاشرتی اور خاندانی جرم تھا جس کی سزا اہل خاندان دے سکتے تھے۔ حکم تھا کہ چار گواہ اس فعل کی شہادت دیں تو دونوں کو مارا پیٹا جائے اور عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے اور ساتھ یہ اشارہ موجود تھا۔ یہ قاعدہ تا حکم ثانی ہے۔

والتی یاتین الفاحشہ من نسائکم فاستشہدوا علیھن اربعہ منکم فان شہدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت اویجعل اللہ لھن سبیلا (سورہ النساء 15)

تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کی مرتکب ہوں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آجائے۔ یا اللہ ان کے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

ان دونوں آیتوں میں زنا کی سزا ابتدائی طور پر دی گئی ہے۔ اس کے ڈھائی تین سال بعد یہ حکم نازل ہوا جو آج زیر بحث آیت میں موجود ہے۔ اس حکم کے ذریعے پہلا حکم منسوخ کر کے زنا کو باقاعدہ قانونی جرم اور دست اندازی سرکار قرار دے دیا گیا۔

اس آیت میں زنا کی سزا کا جو ذکر ہے وہ محض زنا کی سزا ہے جو غیر شادی شدہ مرد اور عورت سے سرزد ہو، شادی کی صورتوں کی سزا نہیں جو اسلامی قانون میں سخت جرم ہے۔ گزشتہ آیت میں صرف غیر شادی شدہ فریقین کی سزا کا ذکر ہے اس سے تھوڑی دور آگے چل کر آیت سے یہی ثابت ہوتا ہے یعنی ومن لم یقطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنت فمن مامَلکت ایمانکم من فتیتکم المومنت الخ۔ (سورہ النساء ۲۵) تم میں سے جو لوگ مومنوں میں سے محصنت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔

سورہ نساء کی ان دونوں آیات اور سلسلہ کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورہ نور کے زیر بحث آیت میں زنا کی سزا صرف غیر شادی شدہ لوگوں کے لئے ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تفہیم القرآن جلد اول، سورہ النساء حاشیہ ۴۲ و تفہیم القرآن جلد ۳، سورہ النور ۳۲۵ تا ۳۲۷۔ حاشیہ ۲)

شادی شدہ فریقین کی سزائے زنا

یہ امر کہ شادی کے بعد زنا کی کیا سزا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کا علم احادیث سے ملتا ہے، بکثرت روایات بھی ہیں اور بکثرت عملی نظیریں بھی کہ حضور ﷺ نے اس کی سزا قولی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی رجم ہی قرار فرمائی ہے۔ پھر آپ ﷺ کے چاروں خلفاء راشدین ؓ نے اپنے اپنے دور میں یہی رجم کی سزا شادی شدہ مرد اور عورتوں کو زنا کے ارتکاب پر دی ہے اور اسی قانون کا عملاً" اعلان فرمایا۔ صحابہ کرام ؓ اور تابعین ؒ میں یہ مسئلہ متفق علیہ تھا کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ انہیں زنا کی اس سزا پر شک ہو جو شادی شدہ افراد کے لئے مقرر ہے۔ اس کے بعد تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہا بھی اس پر متفق تھے۔

اسلام میں زنا کی اتنی احتیاطی، اصلاحی اور انسدادی تدابیر کے باوجود لوگ اس کی سزاؤں پر

اعتراض کرتے ہیں اور انہیں وحشیانہ سزا کہتے ہیں، لیکن وہ ان تازیانوں کی سزاؤں کو کیا کہیں گے جو جیلوں میں دی جاتی ہیں۔ موجودہ قانون کی رو سے جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی قیدی کی حکم عدولی پر تیس ضرب بید کی سزا دے سکتا ہے۔ اس سزا کے لئے باقاعدہ آدمی کو تیار کرایا جاتا ہے، مشق دلائی جاتی ہے۔ اس کے لئے بید بھگو بھگو کر تیار کئے جاتے ہیں تاکہ جسم کو کاٹے۔ مجرم کو ٹکٹکی کے ساتھ باندھا جاتا ہے، مجرم کو ننگا کیا جاتا ہے۔ جلاد دور سے بھاگ کر آتا ہے اور پوری طاقت سے مارتا ہے۔ ضربیں مخصوص حصہ جسم پر لگائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ گوشت قیمہ ہو کر اڑ جاتا ہے۔ یہ سزا جسے آج کے مہذب لوگ خود جیلوں میں نافذ کرتے ہیں وہ کس منہ سے اسلام کی سزائے تازیانہ کو وحشیانہ سزا کہتے ہیں۔ ان کی پولیس تو ثابت شدہ مجرموں کی نہیں، مشتبہ لوگوں کو بھی تفتیش کے دوران جیسے عذاب دیتی ہے وہ کسے معلوم نہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی یہ تنبیہ قابل توجہ ہے کہ زانی اور زانیہ پر میری تجویز کردہ سزا نافذ کرنے میں تمہارے دلوں میں رحم کا جذبہ پیدا نہ ہو۔ حضور ﷺ نے سزا کے اس نفاذ کو حدیث شریف میں یوں بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ایک حاکم کو لایا جائے گا جس نے زانی اور زانیہ کی حد میں کوڑا کم کیا ہو گا۔ پوچھا جائے گا تم نے اس سزا میں یہ کمی کیوں کی؟ وہ کہے گا کہ خدایا، آپ کے بندوں پر رحم کھا کر ایسا کیا۔ ارشاد ہو گا، اچھا تو لوگوں پر مجھ سے زیادہ رحیم تھا۔ حکم ہو گا لے جاؤ اسے دوزخ میں۔ اسی طرح دوسرے حاکم کو لایا جائے گا جس نے اس سزا میں ایک کوڑے کا اضافہ کیا ہو گا۔ وہ خدا کی جواب طلبی اور حد میں اضافے کے سوال پر کہے گا کہ میں نے اس کو ایک کوڑا زیادہ مارا ہے تاکہ تیرے بندے آپ کی نافرمانیوں سے باز رہیں۔ ارشاد ہو گا۔ اچھا تو مجھ سے زیادہ حکیم تھا۔ حکم ہو گا اسے دوزخ میں لے جاؤ۔ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۲۲۵)

معلوم ہوا کہ زانی اور زانیہ کو وہی سزا دی جائے جو خدا کی تجویز کردہ ہے اسے کسی اور سزا سے نہ بدلا جائے۔ کوڑوں کی بجائے کوئی اور سزا رحمت و شفقت کی وجہ سے گناہ ہے اور اسے وحشیانہ سزا خیال کر کے کوئی اور سزا تجویز ہو تو یہ کفر ہے۔

سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵، آیت ۳۲ میں ارشاد ہے ولا تقربوا الزنی انه كان فاحشه وساء سبیلا اس آیت کے مخاطب افراد بھی ہیں اور پورا معاشرہ بھی ہے کہ تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ فحاشی اور بدکاری کا برا راستہ ہے۔ محض زنا سے بچنے کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ زنا کے محرکات سے بھی دور رہو جو زنا تک لے جاتے ہیں۔ رہا معاشرہ تو اس کی رو سے پورے معاشرے اور سوسائٹی کا

فرض ہے کہ وہ اپنی اجتماعی زندگی میں زنا کے اسباب اور وجوہات کا سد باب کرے۔ اس غرض کے لئے قانون کے ذریعے، تعلیم و تربیت کے ذریعہ، اجتماعی ماحول کی اصلاح کے ذریعہ سے اور دوسری تمام موثر تدابیر سے کام لے کر زنا کی روک تھام کی کوشش کرے اور یہی آیت آخر کار اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی۔ اس آیت کے منشاء کے مطابق زنا اور تہمت زنا فوجداری جرم بنا، پردے کے احکامات جاری ہوئے، فواحش کی اشاعت کو سختی سے روک دیا گیا۔ شراب، موسیقی، رقص اور تصاویر، جو زنا کی قریبی متعلقات ہیں پر پابندیاں لگیں اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مشتبہ ہیں جو شخص مشتبہ گناہوں سے بچے گا وہ بدرجہ اولیٰ کھلے گناہوں سے بچے گا اور جو شخص مشتبہ گناہوں کو کر ڈالنے کی جرات دکھائے گا تو کھلے گناہوں میں اس کا پڑنا زیادہ متوقع ہے اور معصیتیں اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ ہیں جس کے اندر کسی کو جانے کی اجازت نہیں اور ان کے اندر گھس جانا حرام ہے جو جانور ممنوعہ علاقہ کے آس پاس چرتا ہے اس کا ممنوعہ علاقہ میں گھس جانا زیادہ متوقع ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

مندرجہ بالا حدیث دوسرے گناہوں سے بچنے اور بالخصوص زنا کے انسدادی احکامات اور زنا سے دور رہنے کے لئے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ زنا کے سلسلہ میں متعدد قوانین اور اس کی سزا کے متعلق دوسری تمام تفاصیل سے قطع نظر اس کے معاشرتی پہلو پر نظر ڈالی جائے تو شادی شدہ عورتوں اور مردوں کے سلسلہ میں اس کے دور رس اثرات کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک زانی شادی شدہ مرد و دوسری شادی شدہ زانیہ سے جب زنا کا ارتکاب ہوتا ہے اور یہ فعل باہمی رضا مندی اور دونوں کے خفیہ پروگراموں کے مطابق ہوتا ہے تو جو نطفہ عورت کے پیٹ میں زنا کے ناجائز فعل سے ٹھہرے گا وہ بچہ پیدا ہو کر بظاہر تو عورت کے خاوند کا بچہ ہی کہلائے گا مگر وہ غیر قانونی طور پر اس گھر میں اپنے مصروف اور ظاہری والد کی کمائی پر پرورش پائے گا اور اس کا اصلی زانی والد اس کی پرورش کی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو گا۔ یہی نہیں بلکہ ناجائز طور پر اس گھر میں پیدا ہونے والا بچہ اپنے والد کی جائیداد کا وارث کہلاتا ہے اور اپنے دوسرے بہن بھائیوں کی میراث میں حقدار بھی بن جاتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ نسلوں تک باقی رہتا ہے جب کہ خدا کے قانون کے مطابق وہ اپنے حقیقی والد کی اولاد نہیں ہوتا جس کی بے خبری اور لاعلمی میں اس کی بیوی نے کسی اور کے

ساتھ زوجیت کے تعلقات' زنا استوار کر کے اسے پیدا کیا ہوتا ہے۔ اس نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو شادی شدہ مرد کا کسی دوسری شادی شدہ عورت سے زنا معاشرتی' خاندانی اور قانون وراثت کی رو سے سنگین جرم ہے جس کی سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے زنا سے زیادہ سخت اور سنگین ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

جب کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے معاملات میں قرآنی احکام واضح ہیں اور یہ امکان بھی ہے کہ وہاں زنا کا ارتکاب صرف ان تک ہی محدود رہتا ہے۔ اس میں دوسروں کے حقوق وراثت اور حق پرورش تک وہ متعدی نہیں ہوتا اور یہ امکان بھی ہے کہ شرعی سزا کے بعد یعنی کوڑوں کی سزا کے بعد ان کا باہمی نکاح ہی ہو جائے اور اس طرح الخبیث للخبیثین والخبیثون للخبیثت کے مطابق زانی زنا کارہ سے رشتہ زوجیت میں منسلک ہو جائیں ۔ حضور ﷺ کو عورتوں کی بیعت کے بارہ میں حکم دیا گیا ہے۔ اگر وہ بیعت کے لئے آئیں تو وہ دوسری اخلاقی برائیوں چوری' وعدہ خلافی اور قتل وغیرہ کے ساتھ یہ اقرار اور عہد کریں کہ وہ زنا نہ کریں گی' تب ان سے بیعت لی جائے۔ (سورہ الممتحنہ)

سورہ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی بہت سی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور ان صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ ولا یزنون ومن یفعل ذلک یلق اثاما یضعف له العذاب یوم القیمه ویخلدنیه مهانا رحمن کے بندے زنا کے مرتکب نہیں ہوتے' اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنے گناہوں کا بدلہ پائے گا اور یہ بدلہ دنیا و آخرت دونوں میں ملے گا اور تجربہ یہی بتاتا ہے کہ زناکار مرد اور عورت کا خود اپنا گھرانہ' ان کی اولاد کی زناکاریوں تک پھیل جاتا ہے جس سے قرآنی الفاظ کی صداقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے مردوں اور عورتوں کو اس کا بدلہ مل کر رہے گا اور قیامت کے دن بھی ان کا عذاب دو چند ہو گا اور وہ قیامت کے دن اس ذلت آمیز عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ وما علینا الا البلاغ۔

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالی اعددت لعبادی الصٰلحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر واقرء وا ان شئتم فلا تعلم نفس مااخفی لھم من قرۃ اعین (بخاری و مسلم)

ترجمہ! حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے رسول کریم ﷺ نے بیان فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت فلا تعلم نفس مااخفی لھم من قرۃ اعین جس کا مطلب یہ ہے "کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لئے (جو راہ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں اور راتوں کو عبادت خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں" چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں اور جن میں ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہے۔

عالم آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مومن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن و مسلم نہیں ہو سکتا ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں اور یہی دونوں مقام انسانوں کا آخری اور ابدی ٹھکانا ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث میں جنت کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکالیف کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث' حدیث قدسی ہے۔ رسول کریم ﷺ جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو تو ایسی حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کے لئے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دار آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گے جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوتیں بلکہ کسی آنکھ نے بھی ان کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو محبت و شفقت و عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ اعددت لعبادی میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں کہ میرے بندے ان کا ادراک بھی نہیں کرسکتے اور جنت کی ایک نعمت دنیا کی ہزاروں نعمتوں سے بہتر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اس کے عذاب کا خوف پیدا ہو اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں جو جنت میں پہنچانے والے ہیں اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں۔

صدائے فقیر

تخلیق آدم

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

انسان کی حقیقت اور اس کی غرض و غایت جاننے کے لئے خالق کائنات کی راہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔ اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں میں سے صرف ایک ہی کتاب اپنی اولین زبان اور ہر قسم کی تحریف سے پاک اصلی متن کے ساتھ موجود ہے اور وہ قرآن کریم ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اللہ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔ دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی کتابوں کے بارے میں ایسا دعویٰ کر ہی نہیں سکتے۔ خالق کائنات نے اپنی حکمت بھری کتاب میں انسان کی تخلیق کے بارے میں جو راہنمائی فرمائی ہے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی جدوجہد کریں گے۔ کتاب مقدس کی ایک مختصر سی آیت مبارکہ نے ایک عظیم حقیقت کو اس طرح اپنے اندر سمیٹ رکھا ہے جیسے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہو سورت ذاریات کی آیت 56 ملاحظہ فرمائیے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون O

"اور ہم نے جن اور انسان اس لیے پیدا کئے ہیں کہ وہ میری بندگی کریں"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کی تخلیق کا ایک ہی مقصد ہے کہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے۔ عبادت سے مراد صرف ارکان اسلام کی ظاہری پابندی ہرگز نہیں ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کرنا تو بندگی کے اقرار اور اللہ سے اپنی محبت کے عملی اظہار کی ایک صورت ہے۔ یہ شریعت کا مقرر کردہ کم از کم معیار ہے اور اس کی پابندی ہر مومن پر لازم ہے۔ ان کی ادائیگی سے ایک مسلمان کی پہچان ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معمول کا تعلق قائم رہتا ہے۔ عبادت کا وسیع تر مفہوم تو بھرپور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہو۔ یہ یاد رہے کہ عبد کے معنی غلام کے ہیں اور عملی زندگی میں ایک غلام کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی' وہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب آقا کی رضا کے حصول کے لئے قربان کر دیتا ہے۔ جو اپنے مالک کا سچا بندہ بن جائے وہ اپنی من مرضی کا غلام رہ ہی نہیں سکتا اور وہ سب کچھ کسی جبر کے تحت نہیں کرتا بلکہ برضا و رغبت اپنا مال و جان اپنے محبوب مالک کے قدموں پر نچھاور کر کے اس کی رضا کا طالب بن کر اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ انسان کی زندگی کی معراج بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب و دیدار ہے اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ

کی کامل بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ کا فرمان یوں نقل کیا گیا ہے کہ "میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا؟"

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کا انکشاف ہے کہ ہر شے اپنی اپنی پیدائش کی مناسبت سے ذی شعور ہے۔ اپنے خالق کو پہچانتی اور اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کے احکام کی کامل اطاعت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خالق کی معرفت اور قرب حاصل کرکے اپنے رب کی بہترین نعمتوں اور انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ یہ خصوصی نوازش اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے اور اس کی بے پایاں محبت کا مظہر ہے کہ اسے اپنے قرب اور دیدار جیسی عظیم نعمت کے لئے منتخب فرمالیا۔ اس طرح یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آگئی کہ انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے۔ ترجمان حقیقت علامہ اقبالؒ نے ایک ہی شعر میں اس راز کو افشا کرتے ہوئے فرمایا۔

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

یعنی انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ اپنے رب کی کامل بندگی کے ذریعے وہ مقام حاصل کرلے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی رضا کے حصول کی راہ میں اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے جس طرح ایک ذہین و فطین بچے کو اپنی عبقریت کے اظہار کے لئے کسی مناسب تعلیمی اور تجرباتی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح انسان کی تسخیرو تعمیر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر مقصود حیات تک پہنچنے کے لئے بھی ایک خاص اور اس کے شایان شان تربیت گاہ کی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی زمین کو اپنی لاتعداد آیات سے مزین کرکے ایک وسیع و عریض تربیت گاہ کے طور پر تیار کر رکھا تھا۔ قرآن کریم میں تمام انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکمرانی اپنے قرب و دیدار کی نعمت عطا کرنے کے لئے انسان کا انتخاب فرمایا اور اسے فرشتوں اور جنات پر فضیلت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ گویا تمام علوم کی روح اور چیزوں کی تسخیر کرنے کا ولولہ ان کے اندر پھونک دیا۔ ملائکہ پر انسان کی فضیلت اور برتری کے عملی اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو پیش کرکے ان کے نام دریافت فرمائے تو فرشتوں نے اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دینے سے معذرت کرلی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو ان

چیزوں کے نام بتا دیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو انسان کے استحقاق کے خلاف فرشتوں نے جو اعتراض اٹھایا تھا وہ رفع ہو گیا۔ اس پر اللہ قادر مطلق نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔ بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے جانبداری برتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سب چیزوں کے نام سکھا دیے اور فرشتوں کو نہ سکھائے۔ ایسی سوچ کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو رحمان و رحیم ہیں اور عادل ہیں وہ ہرگز ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ منفی اور سلبی صفات منسوب کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ جس شے میں جس قدر خلقی استعداد موجود ہوتی ہے اسی کے مطابق اللہ کریم کی عطا ہو جاتی ہے۔ فرشتوں میں خلقی طور پر ہمہ دانی اور ہمہ گیری کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ ایک فرشتہ تمام چیزوں کے نام جان سکے یا مختلف النوع کام انجام دے سکے۔ ہر فرشتہ کو جو وظیفہ حیات عطا ہوتا ہے وہ اسی تک محدود رہتا ہے۔ اسی لئے صور پھونکنے، وحی لانے، جان قبض کرنے، بادلوں کو ہانکنے، بیجوں کو چٹخانے، نامہ اعمال لکھنے اور دوسرے بے شمار اعمال ادا کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ فرشتے تعینات ہیں۔ آدم علیہ السلام کو اللہ حی و قیوم نے احسن تقویم یعنی دوسری مخلوق سے بہتر صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا تھا اور صرف وہی علم الاسما کا حامل ہونے کی اہلیت سے بہرہ ور تھا۔ اس علمی امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم فرمایا کہ حضرت آدمی علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی اولاد پہلے ہی زمین پر آباد تھی۔ وہ جنات میں سے تھا اور خود بھی دل میں خلافت کی خواہش چھپائے ہوئے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں کونسا امر تجھے مانع ہوا۔ ابلیس نے جواب دیا کہ آدم سے بہتر اور برتر ہوں۔ اس کی تخلیق تو حقیر اور بدبودار مٹی سے کی گئی ہے اور مجھے آپ نے مٹی سے بہتر اور لطیف شے آگ سے پیدا فرمایا۔ آپ نے مجھے اس پر فضیلت بخش کر خلافت ارضی عطا کر دی ہے حالانکہ اس کی حیثیت میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے اگر آپ میری درخواست قبول فرمالیں تو میں یہ ثابت کر دوں گا۔ آپ روز قیامت تک کے لئے مجھے زندگی کی مہلت عطا فرما دیں تو میں اس کی اولاد کو آپ کی محبت و اطاعت کے صراط مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کر دونگا اور آپ دیکھیں گے تھوڑے سے لوگ ہی شکر و رضا کے شیوہ پر قائم رہ سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی گزارش قبول فرمائی۔ اور اس طرح ابلیس پوری نسل انسانی کے دشمن کی حیثیت سے کھلم کھلا میدان میں اتر آیا وہ

اپنی ذریت، لاؤ لشکر، مکرو فریب اور تمام تر تخریبی حربوں سے لیس انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹانے اور قرب و دیدار سے محروم رکھنے کے لئے اس پر آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے حملے کرتا رہتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور انکی شریک حیات حوا کو کچھ عرصہ کے لئے جنت میں ٹھرانے کا انتظام فرمایا تاکہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو کر دنیا میں جائیں۔ جنت میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولت دستیاب تھی سوائے ایک خاص درخت جس کے قریب آنے سے اللہ علیم و خبیر نے انہیں منع کر دیا تھا۔ ابلیس نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسانے کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ اس نے شجر ممنوعہ کے فوائد بڑے دلکش انداز اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انہیں مستقبل کے بڑے سہانے خواب دکھائے۔ اس کے ساتھ ہی قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین بھی دلاتا رہا اور آخر کار انہیں فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس درخت کا پھل چکھتے ہی ان کی کیفیت بدل گئی۔ ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں اور وہ شرمساری سے بچنے کے لئے جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اس پر وہ دونوں بہت ہی پچھتائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بڑے ہی خشوع و خضوع سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے چند دعائیہ کلمات سیکھ کر ان کے ذریعے مغفرت طلب کی اور رحم کی بھیک مانگی تو اللہ رحیم و کریم نے ان کی معذرت قبول فرما کر انہیں معاف فرما دیا۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ انسان کو ازلی اور پیدائشی گنہگار سمجھنے کا عقیدہ درست نہیں ہے آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ انہیں زمین کی خلافت دی جائے اس لئے ان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی صلاحیتوں کے اظہار خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ انسان کو خاکی وجود کے ساتھ اس جہان آب و گل میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ سماعت، بصارت اور دل و دماغ کا صحیح استعمال کر کے روح کی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لائے۔ اور اس مادی عالم کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگانے کے ساتھ ساتھ معرفت نفس اور عرفان الٰہی کے بلند ترین مقام تک پہنچ جائے۔

خواجہؒ کے خطوط

(خالد مسعود توحیدی)

1۔ صبر کے معنی

(بنام محمد عالمگیر صاحب 1972-7-15)

"بہر حال تکلیفوں پر گھبرانا نہیں چاہئے یعنی خوش رہنا چاہیے۔ صبر کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اندر سے تو دل جل رہا ہو اور زبان پر شکر کا لفظ ہو"

2۔ مجبوری کا صبر

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 1962-2-12)

"آپ صبر کریں۔ مجبوری کا صبر نہیں خوشدلی سے صبر کریں۔ آپ کو ضرور نعم البدل مل جائے گا"

3۔ سب سے بڑی نعمت

(بنام محمد قاسم صاحب 1960-7-17)

"مصائب کو برداشت کرنے بلکہ خوشی سے برداشت کرنے سے ہمت پیدا ہوتی ہے۔ ایمان بڑھتا ہے۔ خدا سے تعلق مضبوط ہوتا ہے اور آدمی کا کردار بلند ہو جاتا ہے اور یہی سب سے بڑی نعمت ہے"

4۔ اللہ جو کرے اچھا ہے

(بنام محمد قاسم صاحب 1962-2-15)

"میری بینائی ہو یا صحت کسی کے لئے بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ جو کرے اچھا ہے آخر کو مرنا بھی تو ہے"

5۔ پیر کے ساتھ رابطہ

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1965-3-1)

"جب تک پیر کے ساتھ مختلف حلقوں کا رابطہ قائم نہ رہے وہ لوگ کیسے ترقی کر سکتے ہیں۔

باطنی رابطہ کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ وہ جتنا ضروری ہے اتنا ہی ضروری ظاہری رابطہ ہے۔ وہ خط و کتابت ہی سے ہو سکتا ہے یا ماہوار فنڈ وغیرہ آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں حلقہ زندہ ہے۔ جب دونوں باتیں نہ ہوں نہ خط نہ فنڈ تو میں کیا سمجھوں"

6۔ جبر و قدر

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 29/7/1962)

"آپ کے خط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ انسان کو مجبور محض سمجھتے ہیں۔ آپ کے خیال میں انسان جو کچھ بھی کرے حتیٰ کہ وہ گناہ ہو یا ثواب وہ بھی اللہ ہی کراتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہے تو یہ غلط ہے۔ ورنہ پھر قیامت کے دن پرسش اور سزا و جزا کے کچھ معنے ہی نہ ہونگے۔ دراصل قرآن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان بہت سی باتوں میں مجبور لیکن کچھ باتوں میں مختار بھی ہے اور اتنی ہی باتوں پر وہ مسئول بھی ہے۔ مختصر یہ کہ انسان عمل کرنے میں جتنی طاقت اور ذرائع اس کو ملے ہوئے ہیں اتنا ہی مختار ہے لیکن اعمال کے نتائج میں مجبور ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر شخص جو چاہتا بن جاتا"

7۔ دل پر بوجھ

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 6/2/1966)

"غلام عباس کا خط آیا تھا آج ہی جواب دیا ہے۔ ان کو شکایت ہے کہ دل پر بوجھ رہتا ہے۔ اگر یہ ذکر یا آپ کی توجہ کی وجہ سے ہے تو ان کا ذکر بند کرا دیں اور توجہ نہ دیں۔ وہ ضعیف القلب آدمی ہیں۔ اگر کوئی بیماری ہے تو علاج کرائیں۔ دوسرے دوائیں میں نے بھی لکھ دی ہیں"

رن کچھ کا معرکہ

(آفتاب احمد خاںؒ)

یہ وہ دن تھے جب حق و باطل کا معرکہ رن کچھ میں ہو رہا تھا۔ ہر زدو عام کی زبان پر تھا کہ بریگیڈئر جنجوعہ نے رن کچھ کے میدان میں ہندوستان کی فوج کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اخبارات میں یہ خبریں بھی تھیں کہ ہندوستانی افسر اپنے جوانوں کو پاکستانی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بمبئی کے ہوٹلوں میں جا چھپے ہیں۔ ان کے مورچوں سے ان کے بریف کیس اور دیگر ذاتی سامان بھی پاکستانی فوج کے ہاتھ لگا جن کی تصاویر بھی چھپی ہوئی تھیں۔ میں بھی اپنے دفتر میں بیٹھا آنے جانے والوں سے اور ٹیلی فون پر تازہ ترین خبروں کے لئے رابطہ رکھے ہوئے تھا۔ عین اسی دوران کوئی تین بجے بعد از دوپہر میری طبیعت میں ہیجان سا برپا ہوا اور جی چاہا کہ مجھے اس وقت قبلہ حضرت انصاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اس جنگ کے بارے میں سننا چاہیے۔ میں نے اپنے کام کو جلدی جلدی سمیٹا اور کینٹ کی طرف جہاں ان دنوں حضرت صاحب کی رہائش تھی رواں دواں ہو گیا۔ راستے میں مجھے یہ خیال بھی آیا کہ اس وقت حضرت صاحب آرام فرما رہے ہونگے۔ پھر سوچا کہ میں برآمدے میں بیٹھ کر ان کے جاگنے کا انتظار کر لونگا۔ بہر حال انہی سوچوں میں سفر جاری رہا۔ ان دنوں لاہور کی فضا میں ایک عجیب سی کیفیت تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آسمان سے نور برس رہا ہے اور فضا ایک خاص قسم کی خوشبو سے معطر ہے۔ پاکستان کے تمام لوگ جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور شاید یہی امر اس خاص روحانی کیفیت کا باعث تھا۔ اسی طرح کے احساسات میں میری گاڑی لاہور کینٹ کا پل پار کر رہی تھی۔ جب میں نے چوک سے دائیں طرف گاڑی موڑی تو میں نے دیکھا کہ دور بائیں جانب درختوں کے سائے میں پگڈنڈی پر کوئی صاحب خراماں خراماں چلے آرہے ہیں۔ مجھے ایسا ہی لگا کہ قبلہ حضرت انصاری صاحب ہیں۔ پھر خیال آیا کہ وہ اس وقت باہر اکیلے کیسے آسکتے ہیں جب کہ آپ ضعیف العمر بھی ہیں اور نظر بھی کمزور ہے۔ میں جوں جوں قریب ہوتا گیا یہ حقیقت عیاں ہوتی گئی کہ وہ حضرت صاحب ہی تھے۔ میں نے کوئی بیس گز کے فاصلے پر گاڑی روک لی۔ قبلہ صاحبؒ نے آواز دی کون ہے؟ میں نے اپنا نام بتایا تو فرمانے لگے "تمہاری بہت ضرورت

تھی اچھا کیا جو آ گئے" میں نے حیرت سے دریافت کیا کہ جناب آپ اس وقت سڑک پر اکیلے کیسے نکل آئے۔ مجھے فون کر دیا ہوتا میں حاضر خدمت ہو جاتا اور پھر یہ وقت تو آپ کے آرام کا ہوتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ حق اور باطل کا معرکہ ہو رہا ہو اور میں کیا سو رہا ہونگا۔ ساری قوم جہاد کے نشے میں جھوم رہی ہے میرا بھی جی چاہا اور لاہور کی کھلی فضا میں آ گیا ہوں۔ چلو کہیں لے چلو۔ آپ کو ساتھ لئے اب گاڑی ہاؤس اینڈ کیٹل شو کے میدان کے ساتھ ساتھ میاں میروالی سڑک پر چل رہی تھی۔ اردگرد میدانوں میں پاکستانی فوج سرحدوں پر جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ سڑک کے کنارے ایک بڑے درخت کے نیچے چند فوجی افسر گفتگو میں مصروف کھڑے تھے۔ قبلہ صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ یہاں ان افسروں کے پاس گاڑی روکو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک فوجی کرنل گاڑی کی طرف لپکا اور جھٹ سے دروازہ کھول کر فوجی طریقہ سے کھٹاک سے سلیوٹ کیا۔ قبلہ حضرتؒ گاڑی سے باہر نکلے اور کرنل صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔

"اپنے اسلاف کی جنگیں تو آپ کو یاد ہو نگی۔ بس آج ہندوؤں پر ایک بار پھر ثابت کر دیں کہ مسلمانوں سے جنگ کرنا آسان نہیں۔ ان کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے۔ پوری قوم جہاد میں آپ کے ساتھ شامل ہو گی" کرنل صاحب بولے جناب عالی! ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے ہم سینے پر گولی کھائیں گے اور قوم کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے۔ اس پر قبلہ صاحب نے فرمایا "شاباش انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا اور فتح ہماری ہو گی" پھر قبلہ حضرتؒ گاڑی میں بیٹھ گئے اور کرنل صاحب نے گاڑی کا دروازہ ادب سے جھک کر بند کر دیا اور اب کی بار ان کے ساتھ ساتھ باقی تمام افسروں نے بھی بیک وقت سلیوٹ کیا جس کا قبلہ حضرت نے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا اور ہم آگے بڑھے۔ قبلہ حضرت آنکھیں بند کئے کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ ہونٹ آہستہ آہستہ ہل رہے تھے اور داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت ہلا رہے تھے جیسے کوئی بات کر رہے ہوں۔ آخر کار آپ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا۔ "دیکھا تم نے ان فوجی جوانوں کے چہرے کیسے دمک رہے تھے اور میدان جنگ میں جانے کے لئے کسقدر بیقرار تھے۔ ہزاروں سالوں کی عبادت سے جہاد فی سبیل اللہ کی یہ ساعت بہتر ہے۔ ماشاء اللہ کیسے پر نور چہرے دیکھے ہیں" تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پوچھا کہ یہ کونسی بستی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جناب ہم میاں میر صاحبؒ کے علاقے سے گذر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا چلو میاں میر صاحبؒ کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ میں نے مناسب جگہ پر گاڑی روکی

اور ہم مزار کے اندر چلے گئے وہاں پہلے سے بہت سے لوگ موجود تھے۔ قبلہ حضرتؒ ایک جگہ فاتحہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے اور میں آپ کے عین پیچھے کھڑا ہو گیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد مجھے فرمایا چلو چلیں۔ آپ مزار سے باہر آ کر ایک خوبصورت چھوٹے سے درخت کے سائے میں کھڑے ہو گئے اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمانے لگے "پتہ ہے میاں صاحبؒ سے کیا بات چیت ہوئی" میں نے کہا نہیں حضور مجھے کیا پتہ کہ کیا بات چیت ہوئی۔ فرمانے لگے "میں نے میاں صاحبؒ سے کہا جناب حق اور باطل کا معرکہ ہو رہا ہے ذرا زور لگائیں۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ ہمارا دور اب ختم ہو چکا ہے اب آپ زور لگائیں یہ آپ کا دور ہے" پھر آپ کھڑے کھڑے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر مزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں اور تمہارے اعتقاد میں بڑا فرق ہے یہ وجودی ہیں۔ پھر یوں لگا جیسے کسی آواز پر متوجہ ہو کر خاموش ہو گئے ہیں اور یوں ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی میاں صاحب نے کہا ہے کہ انصاری صاحب مرنے کے بعد سب ایک ہو جاتے ہیں۔ میں آج کی صحبت اور حالات کے مشاہدے سے بہت حیران تھا کہ انسانی زندگی میں ایسی ایسی باتیں اور حقیقتیں بھی ہوتی ہیں۔ جب ہم گھر واپس لوٹے تو میں نے قبلہ حضرتؒ سے حضرت میاں میرؒ سے ہونے والی گفتگو دہرائی تو فرمایا کہ مجھے تو کچھ یاد نہیں اللہ ہی جانے۔ پھر فرمانے لگے بوڑھا ہوں آج بہت تھک گیا ہوں۔ چنانچہ میں نے اجازت لی اور اپنے دفتر واپس آ گیا۔ لیکن سارا دن اور پوری رات بھی انہی خیالوں میں گذر گئی اور آج مورخہ 28 فروری 1997ء میں نے اپنے دل کی بھڑاس قلم کے ذریعے اس کاغذ کے ٹکڑے پر نکال لی ہے تاکہ میرے پیر بھائی بھی جان جائیں کہ قبلہ حضرتؒ کے ساتھ میرا وقت کیسے گذرتا رہا اور جیسے میرے لئے یہ سنہری یادیں ہیں آپ بھائیوں کے لئے بھی ایسا ہی ہو جائے اور روحانی کیفیات سے مخمور ہوتے رہیں۔

(نوٹ! ہمارے بھائی آفتاب احمد خاںؒ 9 اپریل 1997ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین) از ایڈیٹر فلاح آدمیت

نفس کی طاقت

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

نفس کی طاقت کا سب سے گھٹیا مظہر ہیں مسمریزم' ہپناٹزم' ٹیلی پیتھی اور انتقال خیال ایک دماغ سی دوسرے دماغ میں' میرے خیال میں یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ مسمریزم اور ہپناٹزم سے بیماریوں کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے اور یورپ میں یہ طریقہ علاج بڑی سرعت سے پھیل رہا ہے۔ سر کا درد' جسم کے کسی اور حصہ کا درد' بخار وغیرہ کو اس کے عمل سے بہت جلد آرام آ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی مہلک بیماریوں کو بھی شفا ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ دیوانہ پن بھی جاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہمارے تصوف میں بھی یہ طریقہ صدیوں تک جاری رہا ہے۔ نقشبندیہ خاندان میں تو سلب مرض کا طریقہ باقاعدہ سکھایا اور عمل میں لایا جاتا تھا۔ میں نے اس کا بذات خود کامیاب تجربہ کیا ہے۔ اگر آپ اس سے متعلق کچھ جاننا چاہیں تو حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب قول الجمیل کا مطالعہ کریں۔ اس میں یہ طریقہ مختصر طور پر دیا ہوا ہے۔ مسمریزم کا ایک تماشہ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ عامل چھوٹی اور ہلکی مادی چیزوں کو صرف نظر اور انگلی سے اشارہ کر کے متحرک کر دیتا ہے اور وہ چیزیں گز دو گز فاصلہ طے کر کے عامل کے پاس آ جاتی ہیں۔ دیا سلائی' چاقو' گھڑی اور قلم وغیرہ۔ میں معمول ہپناٹزم پر خواب مقناطیسی طاری کر کے اس کے دل کا چھپا ہوا سارا حال پوچھا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ مجرموں سے جرم کا پتہ لگانے کے لئے بہت مفید ہے۔ ٹیلی پیتھی اور انتقال خیال یہ ہے کہ عامل معمول کو مقناطیسی نیند سلا کر اس سے ماحول وغیرہ کے متعلق سوال کرتا ہے اور صحیح جواب پاتا ہے۔ ایک مرتبہ دہلی کی جامعہ مسجد کے سامنے اسی طرح ایک عامل اپنے معمول کو بے ہوش کر کے طرح طرح کے سوالات پوچھ رہا تھا۔ مثلاً" عامل نے ایک آدمی سے گھڑی لی اور معمول سے جو بے ہوش سو رہا تھا اور جس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی پوچھا یہ کیا۔ معمول نے جواب دیا گھڑی' عامل نے پوچھا کیا بجا ہے۔ معمول نے درست جواب دیا۔ یوں وہ طرح طرح کے سوالات کر رہا تھا میں نے اپنے ہاتھ میں ایک چونی دبائی اور عامل سے کہا اپنے معمول سے پوچھو میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ اس پر عامل نے کہا کہ مجھے دکھایئے آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ میں نے انکار کیا تو وہ کہنے لگا۔ پھر تو میرا معمول نہیں بتا سکے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ معمول کو صرف اس بات کا علم ہو سکتا ہے جو عامل کو معلوم ہے۔ اسی کو انتقال خیال کہتے ہیں۔ ٹیلی پیتھی یہ ہے کہ عامل و معمول یا دو دوست شہر کے مختلف محلوں میں یا دو مختلف

شہروں میں رہتے ہیں وہ ایک وقت مقرر کر کے لکھنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک آدمی کچھ سوالات وغیرہ لکھتا ہے۔ دوسرا بھی بالکل وہی باتیں اپنے کاغذ پر لکھتا ہے۔ پہلا آدمی بھی اس وقت کچھ لکھتا ہے اور اس سے بالکل وہی جواب لکھا جاتا ہے۔ جو نمبر۲ نے لکھا تھا یہ بھی دراصل انتقال خیال ہی ہے فرق صرف یہ ہے کہ پہلی حالت میں آمنے سامنے عمل ہوتا ہے اور اس صورت میں فاصلے سے۔ بادی النظر میں یہ باتیں بڑی معرکتہ الارآ اور حیران کن ہیں۔ لیکن جن صوفیوں نے سلوک میں کمال حاصل کیا ہے ان کے نزدیک یہ سب کچھ بازیچہ اطفال سے زیادہ نہیں۔ ایک صوفی اپنے مریدوں پر توجہ کے ذریعہ جو چاہے وہی اثر ڈال سکتا ہے۔ لاہور میں بیٹھے ہوئے لندن یا نیویارک جیسے دور دراز مقامات میں اپنے مریدوں کے دماغ پر توجہ دے کر ان کی بری عادتیں چھڑا سکتا ہے اور ان کی اصلاح کر سکتا ہے۔ دور بیٹھے ہوئے مریضوں پر صرف خیال اور تصور سے دم کر کے ان کے امراض کو دور کر سکتا ہے۔ جو چاہے وہی پیغام پہنچا سکتا ہے اور اس کا جواب لے سکتا ہے۔ یہ کوئی دور از کار باتیں نہیں۔ خود میرا اپنا روز مرہ کا تجربہ ہے۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ ایک مسمرائزر یا ہپناٹسٹ اپنے معمول کو پہلے سے بتا دیتا ہے کہ جو میں کہوں تم بھی اسی کا تصور کرنا اور اپنے قوت ارادی کو میرے سپرد کر دینا۔ اب اگر معمول کے خلاف سوچے اور یہ خیال کرے کہ عامل کا اثر ہرگز قبول نہ کروں گا تو پھر ایسے معمول پر عامل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ حالانکہ مسلمان صوفی کو اس کی مطلق ضرورت نہیں۔ وہ جس کو چاہے اپنی توجہ سے اس کے خیالات بدل سکتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا ہے۔

یہ تو تھے مسمریزم وغیرہ کے معمولی کرشمے مگر نفس کی طاقت اس سے کہیں بڑے بڑے کام انجام دے سکتی ہے، "مثلاً" محض قوت ارادی سے بڑے بڑے بوجھوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینا۔ مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ ہو جانا۔ طے الارض یعنی ہزاروں میل کا فاصلہ چند سیکنڈ میں طے کر لینا شکل تبدیل کر لینا یا لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جانا۔ کشف سے دل کا حال یا ماضی و مستقبل کا حال بتا دینا وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک اور علم نفس سے متعلق ہے جس کو سیمیا کہتے ہیں اس میں یہ ہوتا ہے کہ موجود کچھ ہوتا ہے لیکن نظر کچھ آتا ہے۔ یا موجود کچھ بھی نہیں ہوتا اور عامل جو کچھ دکھانا چاہے وہی نظر آنے لگتا ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود اپنی آپ بیتی لکھ دوں جس سے مندرجہ بالا امر کی تصدیق ہو

جائے گی۔

ہوا یہ کہ ہندوستان کا بٹوارہ ہونے کے بعد جب ہر طرف افراتفری اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ 14 ستمبر کو میں نے ارادہ کیا کہ جو کچھ بھی ہو پاکستان چلنا چاہیے۔ چنانچہ جیسے بن پڑا میں نظام الدین بستی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا۔ میرے ساتھ میرا لڑکا اور میرا برادر نسبتی حبیب الرحمٰن صاحب تھے۔ پہلی ٹرین جو صبح 6 بجے جاتی تھی ہمارے ہاتھ نہ آئی۔ مگر دوسری ٹرین میں جو 12 بجے چھوٹی تھی ہم کو جگہ مل گئی۔ اور ہم پاکستان کے لئے روانہ ہوئے۔ دوستوں بہتیرا منع کیا اور سمجھایا کہ ایسے وقت میں جانا درست نہیں' دھڑا دھڑ ریل گاڑیاں کٹ رہی ہیں اور کوئی بھی صحیح سلامت لاہور نہیں پہنچتی۔ میں نے کہا تن بہ تقدیر جو کچھ بھی ہو موت کا ایک وقت مقرر ہے اگر آنی ہے تو کون بچا سکتا ہے اور اگر زندگی ہے تو کون مار سکتا ہے۔ الغرض ٹھیک بارہ بجے گاڑی روانہ ہو گئی۔ یہ دہلی جنکشن پر نہیں ٹھہری کیونکہ وہاں مسلمانوں کو چن چن کر قتل کیا جا رہا تھا اس لئے گاڑی سیدھی غازی آباد جنکشن پر رکی۔ مجھ کو اس وقت معلوم ہوا کہ ہو کیا رہا ہے۔ پنجاب سے آنے والی گاڑیوں میں سکھ اور ہندو ڈبوں میں کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے بلکہ ریل کی چھت پر بھی سینکڑوں آدمی سوار تھے۔ گاڑی وہاں صرف دس منٹ ٹھہری اور خیریت سے روانہ ہو گئی۔ راستہ میں ہمارے اوپر گولیاں وغیرہ بھی چلائی گئیں مگر کوئی نقصان نہیں ہوا۔ ریل کے دونوں طرف آدمیوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ مسلمانوں کے قافلے ہیں۔ جو مشرقی پنجاب سے ہجرت کر کے پاکستان جا رہے ہیں۔ راستہ میں کیا کیا واقعات پیش آئے۔ طوالت کے خوف سے حذف کر کے اصل واقعہ لکھتا ہوں۔ دوسرے دن کوئی دو بجے ہماری گاڑی جالندھر پہنچی اور وہاں کوئی دو گھنٹے ٹھہر کر آگے روانہ ہو گئی۔ چند میل چلنے کے بعد دیکھا کہ ہم سے پہلے جو گاڑی صبح چھ بجے بستی نظام الدین سے چلی تھی اور ہم سے مس ہو گئی تھی وہ کٹی پڑی ہے۔ ٹرین کو ڈریل کر دیا گیا تھا جا بجا ٹوٹے پھوٹے ڈبے لوٹے پڑے تھے۔ بیسیوں لاشیں پڑی تھیں کچھ آدمی کھڑے حسرت سے ہماری گاڑی کو دیکھ رہے تھے اور چیخ رہے تھے کہ آگے نہ جاؤ۔ مگر رکنا یا جانا ہمارے ہاتھ میں نہ تھا۔ خدا خدا کر کے بیاس کا اسٹیشن آیا اور گاڑی وہاں رک گئی۔ تمام پلیٹ فارم اسباب سے بھرے ہوئے تھے۔ مگر آدمی ایک نہ تھا۔ میرے ڈبہ کے سامنے صرف ایک بڈھا سکھ بیٹھا تھا' میں نے اس سے پوچھا سردار جی یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا یہ ہمارے قافلے کا سامان ہے۔ میں نے پوچھا کہ قافلہ کہاں ہے۔ تو اس نے کہا وہ گاؤں دیہات سے اپنی رسد لوٹنے گئے ہیں۔ یہ باتیں ہونے کے کوئی گھنٹے بھر بعد سکھ آنے شروع ہوئے اور

اسٹیشن سے باہر جو بڑ کا درخت تھا وہاں جمع ہونے لگے دیکھتے دیکھتے ان کی تعداد کوئی تین سو سے زائد ہو گئی۔

سب نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ داڑھیوں پر سفید ڈھاٹے بندھے تھے۔ ہاتھ میں ننگی کرپانیں تھیں۔ میں اطمینان سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے دل میں اس بات کا شائبہ بھی نہ تھا کہ ہم کو کاٹ سکتے ہیں۔ اس وقت سارے پلیٹ فارم پر اور میری کھڑکی کے نزدیک کوئی آدمی بھی نہ تھا کہ یکایک مجھے گاڑی کے اندر سے رونے کی آواز آئی۔ مڑ کر جو دیکھا کہ عورتیں' بچے' بوڑھے اور جوان سب رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا بھئی تم کیوں روتے ہو۔ ایک شخص نے جواب دیا کہ تم کو دکھائی نہیں دیتا کہ سکھ آ گئے ہیں۔ اب ہم کو کاٹیں گے۔ میں نے جواب دیا کہ جب کاٹیں گے اس وقت رو لینا۔ پہلے سے واویلا کر کے ان کی توجہ اپنی طرف کیوں کراتے ہو۔ مگر کون سنتا۔ اس پر میں کھڑا ہوا اور میں نے چلا کر کہا "خاموش ہو جاؤ" اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں نے ان سے کہا روو مت بلکہ یا حفیظ یا سلام پڑھو۔ خدا کو اپنے ساتھ محسوس کرو اور دشمن کی کرپانوں کو دیکھتے رہو۔ چنانچہ سب نے چلا چلا کر یا حفیظ یا سلام پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کی طرف سے ہٹ کر میں پھر کھڑکی کی طرف مڑا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کھڑکی میں کہنی ٹکائے کھڑا ہے اور سکھوں کی طرف دیکھ رہا ہے یہ بہت پستہ قد دبلا پتلا نہایت بدصورت آدمی تھا اور اس نے ریلوے خلاصی کی وردی پہنی ہوئی تھی۔ ہم دونوں سکھوں کو دیکھتے رہے۔ نہ وہ مجھ سے بولا نہ میں نے اس سے کچھ کہا۔ اب لوگوں کو یا حفیظ یا سلام پڑھتے ہوئے مشکل سے دس منٹ گزرے ہوں گے کہ یکایک سکھ واپس جانے شروع ہو گئے اور وہاں ایک سکھ بھی نہ رہا۔ اس کے بعد ہماری گاڑی کوئی پندرہ منٹ تک رکی رہی اور پھر اللہ اللہ کر کے حرکت میں آئی۔ اس خلاصی نے مجھ سے کہا "انصاری صاحب اب آرام سے جائیں لاہور تک کوئی خطرہ نہیں" میں نے کہا آپ نہیں بیٹھتے۔ اس نے جواب دیا "ہمارا کیا ہے۔ جب چاہیں گے آ جائیں گے۔ اب گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ پلیٹ فارم پر کھڑا ہو گیا۔ میں برابر اس کو دیکھتا رہا کہ وہ یکایک غائب ہو گیا۔ کچھ دیر تو میرے دماغ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن پھر یکایک یہ خیال ابھرا کہ یہ شخص میرا نام کس طرح جانتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جب ہمارے ساتھ فوج یا پولیس نہیں ہے تو یہ سکھ کیوں واپس چلے گئے گاڑی کاٹنے سے انہیں کون روک سکتا تھا۔ الغرض ہم خیر سے لاہور پہنچ گئے وہاں سے دو ہفتے بعد کراچی روانہ ہو گئے کئی سال گذر گئے۔ میرے دل میں کبھی کبھی یہی دو سوال اٹھتے رہے لیکن جواب نہ ملا۔ ایک دن اتفاق سے میں ایک دوست سے ملنے کے لئے گیا تو

اس کے پاس ایک نوجوان بیٹھا تھا جو نہایت خوبصورت کلین شیو' بال بنے ہوئے اور کم از کم 5 سو روپے کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ میرے دوست نے میرا اس سے تعارف کرانا چاہا تو اس نے کہا۔ انصاری صاحب تو مجھے پہلے سے جانتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ جناب میں آپ سے کبھی نہیں ملا۔ تو اس نے کہا کیوں وہ فساد والی گاڑی یاد نہیں۔ میں نے پوچھا کونسی فساد والی گاڑی۔ تو اس نے جواب دیا۔ وہی جو بیاس کے اسٹیشن پر کھڑی تھی اور سکھ جمع ہو رہے تھے۔ میں نے پوچھا تو کیا آپ بھی ہمارے ہی ڈبے میں تھے؟ اس نے جواب دیا نہیں مگر آپ کی کھڑکی میں کہنی ٹیکے جو خلاصی کھڑا تھا اس کو آپ بھول گئے۔ میں بھونچکا رہ گیا۔ میں نے پوچھا اچھا تو وہ آپ تھے۔ اس نے کہا جی ہاں آپکے ڈبہ پر میری ڈیوٹی تھی۔ میں نے پوچھا اچھا تو آپ رجال الغیب میں سے ہیں۔ وہ ہنسا اور اس نے کہا یوں ہی سمجھ لیجئے۔ میں نے اس سے پوچھا یار یہ تو بتاؤ کہ وہ سکھ کیوں واپس لوٹ گئے حالانکہ ان کو کوئی چیز مانع نہ تھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں سکھوں کو یہ دکھا رہا تھا کہ آپ کی گاڑی کے ہر دروازے اور ہر کھڑکی کے سامنے ایک مسلح باوردی سپاہی رائفل لئے کھڑا ہے اور گاڑی کی چھت پر مشین گنیں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے جواب سے میری تسلی ہو گئی اور میں مان گیا کہ "سیمیا بھی کوئی حقیقی چیز ہے محض گپ نہیں ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس سے یہ دکھانا مقصود تھا کہ غیر مسلم روحانی عالموں میں جو کرشمے اور خوارق عادات دکھانے کی جو طاقت ہے وہ مسلمان بزرگوں میں اس سے کہیں زیادہ اور مکمل طور پر موجود ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ مسلمان فقراء اور صوفیاء کو ان باتوں کی تشہیر سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے وہ مشہور نہیں اور بہت کم لوگ ان کو جانتے ہیں۔

ہندوؤں کے روحانی اشغال میں ایک یوگا ہے۔ یوگی واقعی ایسے کرشمے دکھاتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ہندوؤں نے پوری ایک صدی یورپ اور امریکہ میں یوگا کی اتنی تبلیغ کی کہ آج امریکہ میں لوگ دھڑا دھڑ ہندو بن رہے ہیں۔ کاش اسلامی روحانیت سے کوئی ان کو آشنا کرا دیتا تو بہت سے امریکن مسلمان ہو جاتے۔ ہندوؤں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بے شمار یورپین خصوصاً انگریز خود ہندوستان آئے تاکہ اپنی آنکھوں سے یہ کرشمے دیکھیں' یہ لوگ برسوں یہاں رہے' ایک ایک مندر اور ایک ایک کٹیا میں جہاں کسی یوگی کا پتہ چلا گئے اور انکے کمالات آنکھوں سے دیکھے۔

میری عمر 14 - 15 سال کی ہو گی۔ میں دہلی میں مقیم تھا کہ ایک دن میرے ایک چچا زاد بھائی نے کہا کہ ایک بڑا یوگی آیا ہوا ہے اور چھٹی رسانی کے باغ میں رہتا ہے۔ عجیب عجیب تماشا دکھاتا ہے۔ چلو گے؟ میں

نے کہا ضرور! چنانچہ دوسرے دن ہم چھٹی رسالی کے باغ میں گئے 5-5 روپے کے دو ٹکٹ لئے اور اندر داخل ہو گئے۔ ہال تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ یوگی نے عجیب و غریب کرتب دکھائے ان میں سے صرف دو یاد رہ گئے۔ کیونکہ وہ واقعی عجیب تھے۔

ایک تو یہ تھا کہ یوگی ہال کے بالکل سنٹر میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہوا حبس دم کر کے سانس روک لیا۔ اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ اوپر کو اٹھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ اس کا سر چھت سے لگ گیا پھر وہ آہستہ آہستہ نیچے اتر آیا۔ دوسری مرتبہ کرسی پر بیٹھ کر معہ کرسی چھت تک اٹھ گیا۔ تیسری دفعہ اس نے اپنے سامنے ایک میز بھی رکھ لی اور معہ میز کرسی کے چھت تک پہنچ گیا۔

دوسرا کرتب یہ تھا کہ اس ہال کے آٹھ دروازے تھے ہر ہال میں اس جیسا ایک ایک آدمی آ کر کھڑا ہو گیا۔ یوگی نے ایک کو اشارہ کیا وہ چلا اور یوگی کے پاس آ کر اس کے جسم میں غائب ہو گیا اور اسی طرح باقی 7 آدمی بھی ایک ایک کر کے اس کے جسم میں غائب ہو گئے۔

ایک اور واقعہ یوگ کا میں نے حضرت نظام الدین اولیاء کی بابت کسی تذکرے میں پڑھا کہ جب حضرتؒ کی خانقاہ میں باولی کھدوائی جا رہی تھی 30-40 فٹ نیچے جا کر ایک سماوی (مٹھ) نکل آیا۔ مزدوروں نے اس کی کچھ اینٹیں اکھاڑ کر دیکھا تو اس میں ایک سادھو آسن جمائے بیٹھا تھا۔ حضرت نے اس کو اٹھا کر ایک بڑے صندوق میں بند کر دیا جس میں روئی بھری ہوئی تھی۔ پھر صندوق کو اپنے حجرے میں رکھوا دیا اور روزانہ تھوڑی تھوڑی روئی اس کے اوپر سے اٹھاتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ جاگ پڑا سنسکرت دانوں کے ذریعہ بات چیت کی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک راجہ کے زمانہ میں بیٹھا تھا۔ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ وہ پانچ سو برس پہلے سماوی میں بیٹھا تھا۔ حضرتؒ نے اس سے پوچھا کہ تم نے اس عرصہ میں کیا کیا دیکھا۔ یوگی نے جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں میں تو سو رہا تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ پھر تو یہ کام بالکل بیکار ہے تم کو اس عرصہ میں یہاں کا کچھ علم ہوا نہ وہاں کا۔

ایک واقعہ ڈاکٹر پال برنٹن نے اپنی کتاب "اے سرچ ان سیکرٹ انڈیا" (A SEARCH IN SECRET INDIA) میں لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں ہندو روحانیت اور خصوصاً یوگ کی تحقیقات کر رہا تھا تو اس نے ایک شخص مہربابا نامی کی بابت سنا جو جنوبی ہند میں بہت مشہور تھا۔ چنانچہ برنٹن اس سے ملا۔ بابا ایک غار میں رہتا تھا اور اس کے مریدوں نے غار کے آس پاس گھر بنا لئے تھے۔ مہربابا تمام پارسیوں کا متفقہ پیشوا تھا' لیکن جنوبی ہند کے تمام آدمی اس سے عقیدت رکھتے تھے۔ اس کا دعویٰ تھا کہ میں نیا مسیحا ہوں۔

ابھی میں عبادت میں مصروف ہوں لیکن ایک وقت آنے والا ہے جب کہ میں دنیا کے تمام مذاہب کو ملا کر ایک نیا مذہب بناؤں گا اور کرہ زمین سے شر و فساد کو مٹا کر ابدی امان قائم کر دوں گا۔ برنٹن نے اس کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی۔ اس نے لکھا ہے کہ ابھی نا تجربہ کار ہے اور شیخی زیادہ مارتا ہے۔ بہر حال اس کے سال بعد مہربابا اپنے غار سے نکلا اور امریکہ میں اپنے مشن کا پرچار کیا۔ بہت آدمی اس کے ہم خیال ہو گئے اور وہ ابھی چار پانچ سال ہوئے شمالی یورپ میں اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہوئے مر گیا۔ یہ قصہ میں نے جس خیال سے لکھا ہے وہ یہ بتانا ہے کہ مہربابا کو یہ بزرگی اور فقیری کہاں سے ملی۔ برنٹن لکھتا ہے کہ وہ ایک متوسط الحال پارسی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ پونا کے ایک کالج میں ایف اے میں پڑھتا تھا۔ کافی خوبصورت تھا۔ جس سڑک سے وہ کالج آتا جاتا تھا وہاں راستہ میں ایک مسلمان فقیرنی رہتی تھی جو بابا جان کے نام سے مشہور تھی (میں راقم الحروف اس سے خود کئی دفعہ ملا ہوں) یہ ایک بزرگ اور بوڑھی عورت تھی۔ سینکڑوں کرامتیں اس سے ظہور پذیر ہوئی تھیں اور ہزاروں آدمی اس کی زیارت کو روزانہ آتے تھے' ایک دن مہربابا سائیکل پر سوار کالج سے گھر جا رہا تھا۔ جب وہ بابا جان کے پاس سے گزرا تو بابا جان نے اس کو اشارہ کیا کہ ادھر آؤ۔ وہ سائیکل سے اتر پڑا اور بابا جان کے پاس آ کر نہایت ادب سے سلام کیا۔ بابا جان نے کھڑے ہو کر اس کو گلے لگایا اور پیشانی پر بوسہ دے کر کہا جاؤ۔ مہربابا گھر پہنچا تو اس پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ اس نے کتابیں پھینک دیں' کھانا پینا چھوڑ دیا اور سارا وقت عبادت میں گذارنے لگا۔ چند سال بعد اس نے گھر بھی چھوڑ دیا اور ناسک کے قریب جنگل میں ایک زمین دوز مکان بنا کر عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس سے کشف و کرامات کا اظہار بھی ہونے لگا اور وہ مرجع خلائق بن گیا۔

اب آپ غور کریں اور دیکھیں کہ غیر مسلم اور خصوصاً ہندوؤں کے تصوف میں کس قدر محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہے' دنیا کو چھوڑنا پڑتا ہے تب کہیں جا کر دس پندرہ برس بعد کرامت اور کشف حاصل ہوتا ہے حالانکہ مسلمان سالک میں دس پندرہ ماہ میں (بشرط محنت) یہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ ہمارا مقصود اور ٹارگٹ خدا ہے۔ اس لئے ایسی چیزیں راستہ کی رکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن ہندوؤں کا تو مقصود ہی کشف و کرامت ہے وہ تو یہ حاصل ہونے کے بعد وہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ مگر ہم خدا تک پہنچنے کے لئے آخر عمر تک اللہ اللہ کرتے رہتے ہیں رکنے کا نام نہیں لیتے۔

(ماخوذ از چراغ راہ)

فرقہ واریت

(ڈاکٹر مسعود حفیظ رفاعی)

اختلافات کی وجوہات' لاعلمی' حسد' تکبر' رقابت' مایوسی' زن' زر اور زمین بتائی گئی ہیں۔ فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی رائے سے اختلاف لاعلمی کی وجہ سے تھا جسے انہوں نے جلد ہی محسوس کر لیا اور توبہ کر لی۔ شیطان کا اختلاف اقتدار حاصل کرنے اور نہ ملنے سے مایوسی کی وجہ سے تھا' پھر حسد اور تکبر کی وجہ سے وہ خالق حقیقی ہی کا باغی ہو گیا اور انسان کا ابدی دشمن بن بیٹھا۔ قابیل اور ہابیل کے اختلاف کی وجہ بھی اقتدار کا حصول تھا۔ اس کے بعد جتنی بھی جنگیں یا اختلافات ہوئے ان میں مندرجہ بالا وجوہات میں سے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ بعض تو فوراً" تائب ہو کر اس کی تباہی سے بچ گئے اور جو اس پر اڑے رہے تباہی اور بربادی ان کا مقدر بنی۔ جیسے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی حضور ﷺ سے مخالفت اقتدار سے مایوسی کی وجہ سے تھے۔ بیت المقدس فتح کرنے کے لئے اسلامی افواج حضرت عمرؓ کی قیادت میں شہر کے باہر خیمہ زن ہیں اور شہر کے اندر عیسائی پادری اس بحث میں مشغول ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب مصلوب (نعوذ باللہ) کیا گیا تو وہ خمیری روٹی کھا رہے تھے یا فطیری؟ بغداد کے باہر ہلاکو خان کی فوجیں شہر کا تاراج کرنے کے لئے بڑھ رہی تھیں مگر بغداد میں شیعہ سنی علماء اسی بحث میں مشغول تھے کہ خلافت کا حق حضرت ابوبکرؓ کا تھا یا حضرت علیؓ کا۔ اسی طرح تمام تاریخ عالم اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ہر تباہی کے پیچھے معمولی سی وجہ کار فرما تھی۔

پاکستان میں بھی متعدد فرقے اور بیسیوں دینی جماعتیں فروعی مسائل پر خانہ کعبہ سے بھی زیادہ حرمت والے انسان کو صفحہ ہستی سے نابود کرنے سے گریز نہیں کرتیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف فرقہ بنانے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اس کے احسان عظیم کے منکر اور بہت بڑے نقصان سے بچانے کی ناشکری کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو چکے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔ (ترجمہ) "اور تم سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں گرنے سے بچا لیا۔ اسی طرح تو اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ" (سورۃ آل عمران آیت 103)

مندرجہ بالا آیت میں تفرقہ نہ ڈالنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ہم بڑے فخر سے اپنے فرقے کا اعلان کرتے ہیں۔ خود کو مسلمان کوئی نہیں کہتا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کا نام مسلمان رکھا ہے' آپس

کی دشمنی دور کر کے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی اور ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ اس احسان کو بھی ہم بھول گئے اور محض فروعی اختلافات کی وجہ سے بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ دشمنی کی وجہ سے دوزخ کے غار کے کنارے پر اس میں گرنے کو تیار تھے تو تمہیں اس بڑی تباہی سے بچالیا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ احسان بھی ہم ماننے کے لئے تیار نہیں اور تفرقہ بازی کی وجہ سے پھر اسی تباہی کے دہانے پر کھڑے نظر آتے ہیں۔

قرآن پاک ہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ فرقے بنانا بہت بڑے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ دیکھا جائے تو تمام قوم اس عذاب میں گرفتار ہو چکی ہے۔

ترجمہ! "ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں متفرق ہو گئے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ بعد میں ان کے پاس روشن نشانیاں آ چکی تھیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے" (سورۃ آل عمران آیت 105)

مسجدوں میں بم چلائے جا رہے ہیں، نمازی غیر محفوظ ہیں۔ سرعام قتل ہو رہے ہیں ان کی نقل و حرکت خطرے سے خالی نہیں۔ کئی مسجدوں میں جھگڑوں کی وجہ سے تالے پڑے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ بات قابل غور ہے کہ آپ ﷺ تفریق ختم کر کے متحد کرنے کے لئے تشریف لائے اور ہمارے علماء نے آپ ؐ ہی کی ذات کو وجہ نزاع بنا کر تفریق پیدا کر دی۔

دین میں جدا جدا راہیں نکالنے والوں کا معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے رحمت اللعالمین ﷺ سے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے کیونکہ یہ اتنا بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر اتنا ناراض ہے کہ وہ اس کام کی سزا انہیں خود دے گا تاکہ آپ ؐ اپنی رحمت اللعالمینی کی وجہ سے ان سے رعایت نہ کر پائیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

(ترجمہ) "وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے۔ اے حبیب آپ ﷺ سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ انکا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔ پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے" (سورۃ الانعام آیت 160)

فرقہ بنانے والے اور علیحدہ علیحدہ مسلکوں میں لوگوں کو بانٹنے والے حقائق کو اچھی طرح سمجھتے ہیں مگر جان بوجھ کر محض دنیاوی فائدے کے لئے اپنی لیڈری اور دکانداری چمکانے کیلئے عقیدت مندوں کے ذہنوں کو اس طرح مفلوج کر دیتے ہیں کہ وہ سوچنے سمجھنے سے عاری ہو جاتے ہیں اور اس قدر اندھی تقلید اپنا لیتے ہیں کہ اگر ان کے استاد یا پیر یا لیڈر یا بڑوں نے دو جمع دو پونے چار کہا ہے تو وہ پونے چار ہی کہے جائیں گے اور اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیں گے۔ حالانکہ آج کا دور بہت علم اور روشنی کا دور ہے۔ کمپیوٹر آپ کو بتا رہا ہے کہ دو جمع دو چار ہوتے ہیں مگر آپ ماننے کے لئے تیار نہیں اور پھر یہ فرقہ بنانے والے لوگ عوام کو متشابہ آیات میں الجھا کر گمراہ کرتے رہتے ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

(ترجمہ) "وہی ہے جس نے آپ ﷺ پر یہ کتاب نازل کی۔ اسکی کچھ آیتیں محکم ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جنکے معنوں میں اشتباہ ہے اور جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں تاکہ اس سے فتنہ پیدا کریں اور اور کی غلط تاویلیں کریں اور اس کی تاویل تو اللہ ہی کو

معلوم ہے اور جو علم میں مضبوط ہیں، وہ کہتے کہ ہم ان (متشابہات) پر ایمان لائے۔ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل مندہی نصیحت مانتے ہیں" (سورۃ آل عمران آیت 7)

فرقہ بنانے کے ذمہ دار عالم لوگ ہیں جو محض حسد کی وجہ سے ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ جاہل لوگ تو ان کے پیچھے لگتے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

ترجمہ! "اور انہوں نے پھوٹ ڈالی اس وقت جب انہیں علم آچکا تھا۔ آپس کے حسد کے باعث" (سورۃ الشوریٰ آیت 14)

فرقہ بندی ختم ہونا اس لئے بھی مشکل ہے کہ جو شخص جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے یا پسند کرتا ہے اسے ہی اپناتا ہے۔ مثلاً" جو کھانا جسے پسند ہے وہ اسے رغبت سے کھاتا ہے اور جس لباس کو وہ پسند کرتا ہے وہ اسے فخر سے زیب تن کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لئے چاہے وہ کھانا یا لباس پسندیدہ نہ ہو۔ اسی طرح عوام جس فرقے کو پسند کرتے ہیں اسی پر عمل پیرا ہیں اور اسے چھوڑنے کے لئے کسی بھی صورت میں تیار نہیں جب کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

ترجمہ! "ان میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے اور ہر گروہ جو اس کے پاس ہے وہ اسی پر خوش ہے" (سورۃ الروم آیت 32)

مگر علماء اور اہل علم اور فرقوں کے بانی اور ان کی طرف لوگوں کو بلانے والے حقائق سے اچھی طرح واقف ہیں اور محض اپنے مفادات کے لئے قرآن پاک کی غلط تاویلات کرتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے زیر اثر رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک عالم جو حقیقت کو سمجھتے ہوئے اس پر عمل نہیں کرتا یعنی عالم بے عمل ہے تو جب وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے بدن سے ایسی بدبو آئے گی کہ اہل دوزخ ہاتھوں سے اپنی ناک بند کر لیں گے۔

ایک عالم کہتا ہے کہ احد اور احمدؐ دونوں ایک ہی ہیں۔ صرف ایک میم کا فرق ہے ورنہ احد ہی احمد ﷺ میں جلوہ گر ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ احد تو "لم یلد ولم یلد" ہے یعنی نہ اس کا باپ ہے اور نہ بیٹا۔ اور احمد ﷺ باپ بھی ہیں اور بیٹے بھی۔ تو وہ خدا کیسے ہو گئے؟ اب جو عالم جانتے بوجھتے ہوئے کم علم لوگوں کو اس نظریہ کا حامی بنا کر شرک میں ملوث کر رہا ہے کیا اس سے بچنا ضروری نہیں؟

دوسرا عالم یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو تو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ آپ کے شاگرد حضرت عمرؓ ایک خطبہ جمعہ میں ایران کی سرحد نہاوند پر اسلامی فوجوں کے سپہ سالار ساریہ کو آواز دیتے ہیں۔ "ساریہ رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرف دیکھو دشمن کی فوج حملہ کرنے والی ہے" گویا انہوں نے دیکھا۔ ان کی آواز وہاں پہنچی۔ ساریہؓ نے سنا اور اس پر عمل کیا۔ حالانکہ وہ عالم جانتا ہے کہ حضور ﷺ میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ اللہ کی عطا کردہ ہیں اور آپ ﷺ کی تعریف و توصیف اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہو گی۔

ایک فرقے کا عقیدہ ہے کہ ان کے بزرگ تو بے شمار کرامات کے حامل ہیں مگر وہی صفات حضور ﷺ میں مانی جائیں تو شرک کہلائے گا۔ مثلاً" زندگی میں یا مرنے کے بعد مرید یا عقیدت مند کی دور سے پکار سننا، مدد کے لئے پہنچنا اور مدد فرمانا ایک مہینہ پہلے ہی چاند کا ۲۹ یا ۳۰ کا ہونا بتا دینا یا بے اولاد عورت کو تعویذ دینے کے ساتھ ہی لڑکے یا لڑکی کی ولادت بتا دینا تو ممکن ہے لیکن اگر حضور ﷺ کے متعلق آپ یہ عقیدہ رکھیں گے تو مشرک کہلائیں گے۔

ایک اور عالم جو حضور ﷺ کو عام آدمی کی سطح پر لے آتا ہے وہ ابلیسی توحید کا پرچارک ہے کیونکہ آپ ﷺ کا رتبہ تمام مخلوق میں افضل ہے۔ مثال کے طور پر جمادات سے حیوانات برتر ہیں اور حیوانات سے انسان کا درجہ بلند ہے۔ انسانوں میں مسلمان ممتاز ہیں۔ ان پر اولیائے کرام کو فوقیت حاصل ہے۔ اولیائے کرام پر صحابہ کرام فضیلت رکھتے ہیں اور صحابہ کرام پر انبیاء و رسل، رسولوں پر اولعزم رسل ممتاز ہیں اور ان پر فخر دو جہاں خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ سب سے افضل اور سب کے سردار ہیں۔ ان کی خوبیوں سے قرآن پاک بھرا پڑا ہے۔

جن پر اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے ہر وقت درود پڑھ رہے ہیں اور مومنوں کو بھی درود و سلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کی زندگی کو ہمارے لئے نمونہ قرار دیا گیا۔ ان کا قول قول خدا، انکا فعل اللہ تعالیٰ کا فعل قرار پایا۔ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار پایا۔ ان کے اطاعت گزاروں کو اپنا محبوب قرار دیا۔ سب سے اول مخلوق، ازل سے ابد تک تمام امتوں پر گواہ قلوب کا تزکیہ کرنے والے، کتاب و حکمت کی تعلیم دینے والے، جہاں تک خدا کی خدائی قائم ہے وہاں تک آپ ﷺ کو رحمت قرار دیا گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں وحدہ لا شریک ہے اسی طرح حضور ﷺ اپنی رسالت میں وحدہ لا شریک ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت کا اقرار کئے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ ایسی اولوالعزم شخصیت کی تحقیر کرنے کے لئے ہمارے ایک مولانا لکھتے ہیں۔

"محمد نرے ایک رسول ہیں" نرے کا لفظ اردو زبان میں تحقیر کے لئے آتا ہے

"بشرا مثلکم" کے ترجمہ میں بھی بہت سے لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے کیونکہ مثل عین نہیں ہوتا۔ مثل کا مطلب ہے۔ "اسی جیسی شکل و صورت والا" (Similar) اور عین کا مطلب ہے "بالکل وہی" (Same) اور پھر "یوحیٰ الی" نے عام انسانوں سے آپ ﷺ کا رتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔

ایک فرقے نے اپنی بنیاد "ابدا" (اللہ تعالیٰ غلطی کر سکتا ہے نعوذ باللہ)، "تقیہ" (جھوٹ بولنا جائز ہے)، "متعہ" (کسی بھی عورت سے وقت اور پیسے مقرر کر کے جماع جائز ہے) پر رکھی ہے۔ اولاً اس فرقے کی بنیاد خلافت کی وجہ نزاع بنا کر ڈالی گئی کہ حضرت علیؓ کے بجائے حضرت ابو بکرؓ کو کیوں خلیفہ بنایا گیا اور اس پر ہزاروں لوگ ان علماء کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی خود سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتا کہ کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط۔ جو ذاکرین دس ہزار سے لے کر ڈیڑھ لاکھ تک فی مجلس معاوضہ وصول

کرتے ہیں وہ بھلا کیسے چاہیں گے کہ ان کے معتقدین ان کے دائرے سے نکل جائیں۔ اور یار لوگوں نے تو نبی بھی نئے بنا دیئے اور لاکھوں ان کے مرید ہو گئے۔ حج بھی پاکستان میں ہونے لگا۔ ذکری فرقہ لواری (بلوچستان) کے مقام پر کوہ مراد کے گرد چکر لگانے ہی کو حج قرار دیتا ہے ایک اور فرقے نے حج کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے پروپیگنڈا شروع کیا کہ تبلیغ پر نکلنا بڑے حج کے برابر ہے۔ بیت اللہ میں تو ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے مگر تبلیغ کے لئے جانے والوں کو ایک نماز پر انچاس کروڑ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔ اب بتائیے پچاس ہزار روپے خرچ کر کے حج کرنے کون جائے گا؟ ان فرقوں کے نظریات میں بہت بڑا تضاد اور دوری ہے یہ کبھی بھی قریب نہیں آسکتے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے دے یا ان کو تباہ کر کے دوسرے لوگ لے آئے۔

لہٰذا یہ فرقے بندی ختم نہیں ہوگی کیونکہ ان سے چند لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں اور وہ حق کو پہچانتے ہوئے بھی اپنے مفادات سے دست بردار نہیں ہوں گے اور بعض مفسد لوگ تفرقہ بازی کا باعث بنے رہتے ہیں اور صلح ہونے ہی نہیں دیتے جیسے جنگ جمل میں زوجہ رسول حضرت عائشہ صدیقہؓ اور داماد رسول حضرت علیؓ کو لڑوا دیا اور جب صلح ہونے لگی تو پھر فساد ڈلوا دیا۔ اپنے مطلب کے لئے یہ لوگ تو ہندو لالے کو بھی وہابی بنا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر شخص کی یہ عادت ہے کہ جس بات کو وہ خود صحیح سمجھتا ہے وہ غلط ہو یا صحیح اس کی خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے اسے صحیح سمجھیں۔

فرقہ بندی سے ہونے والے نقصانات کم کرنے اور ان کی شدت میں کمی کرنے کے لئے "سیز فائر" (Ceasefire) ہو سکتا ہے۔

1۔ چونکہ کوئی بھی لیڈر یا عالم جس فرقہ پر بھی وہ قائم ہے چاہے وہ صحیح ہے یا غلط اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کے خلاف اشتعال انگیزی بند کر دیں اور جو لوگ بد قسمتی سے ان کے چنگل میں پھنس چکے ہیں انہیں ہی سنبھالیں۔ انہیں صحیح معنوں میں مسلمان بنائیں ان کے معاملات اور اخلاق سنواریں تاکہ وہ اسلام کے لئے بدنامی کا باعث نہ ہوں۔

2۔ ہر فرقہ دوسرے کے خلاف پراپیگنڈہ کرنے کے بجائے اپنے حلقہ میں اپنے فرقہ میں اسلام کی خوبیاں بیان کرے۔ اس میں جو اخلاقی یا معاشرتی خرابیاں ہیں انہیں دور کریں اور جس طرح ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں (چھوٹی بڑی ہونے کے باوجود) اکٹھی رہ سکتی ہیں اس طرح تمام فرقے اختلاف رائے کے باوجود ملکی سلامتی کے لئے اکٹھے رہیں اور جیسے دشمن سے مقابلے کے وقت یہ پانچوں انگلیاں ایک گھونسہ بن جاتی ہیں اسی طرح بوقت ضرورت تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں اور دشمن کے خلاف متحد ہو جائیں۔

ہر مسلمان سے خواہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتا ہو دردمندانہ گزارش ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچے کہ اسے اکیلے اپنی قبر میں جانا ہے۔ اسکے اعمال سانپ اور بچھوؤں کی شکل میں ڈسنے کے لئے وہاں

موجود ہوں گے۔ اس طرح قیامت کے روز اسے خود ہی اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔ وہاں باپ' دادا' استاد' پیر عالم یا لیڈر کوئی اس کے کام نہیں آئے گا۔ بلکہ اس سے بھاگیں گے اور اگر وہ پکڑ کا انہیں کہے گا کہ تم نے مجھے گمراہ کیا تو وہ صاف انکار کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھ اور علم عطا کیا ہے لہٰذا آپ کا یہ عذر وہاں نہیں چلے گا کہ مجھے دوسرے لوگوں نے گمراہ کیا۔ لہٰذا ہر آدمی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی عاقبت اور نجات کی فکر کرے۔ فرقہ بندی کے متعلق تو قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیات صاف صاف انتباہ کر رہی ہیں کہ ان سے بچ جاؤ۔ اگر ہم رواداری سے کام لیں تو جس طرح غیر مسلم ہمسایہ کے ساتھ ہم پر امن طور پر رہ سکتے ہیں تو سنی بریلوی دیوبندی' اہل حدیث' شیعہ آپس میں امن سے کیوں نہیں رہ سکتے؟

آپ اپنے عقائد' نظریات' معاملات اور اعمال پر غور فرمائیں اور جہاں آپ کو اشتباہ محسوس ہو اس کو دور کرنے کے لئے اس درویش کے پاس تشریف لے آئیں یا بذریعہ خط و کتاب استفسار کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ صحیح راستہ کی طرف راہنمائی ہو جائے گی کیونکہ میرا پیغام یہ ہے کہ آپ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائیں اور راہ نجات پالیں۔ ذاتی شہرت یا مفاد پیش نظر نہیں۔

فرقے بنانے والوں نے تو مخصوص مفادات اور نظریات کے تحت قرآن پاک کے بھی ایسے تراجم پیش کئے ہیں کہ ان سے انسان کے ایمان پر بھی زد پڑتی ہے اور وہ بے شمار شکوک و شبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو تمام بری صفات سے پاک کہنے کے باوجود مکر کرنے والا' چالیں چلنے والا' ٹھٹھا کرنے والا وغیرہ تک لکھا ہے۔ اسی طرح ہادی برحق کو راہ سے بھٹکا ہوا' گمراہ اور اپنے آپ سے گیا گزرا (از خود رفتہ نعوذ باللہ) تک قرار دے دیا۔ قرآن پاک کو گمراہ کرنے والا' حضور ﷺ کو جو معصوم عن الخطا ہیں اور دیگر انبیاء کو گناہ گار قرار دے دیا۔ قرآن پاک کے ایسے تراجم اور دوسرا تمام لٹریچر جس میں اسلام کے خلاف گرد ڈال دی گئی ہے لکھنے والے' مترجم کاتب' پریس' پبلشرز بک سیلرز اور ان کو پڑھ کر گمراہ ہونے والے سب لوگ قیامت کے دن گرفت میں آجائیں گے۔ کوئی عذر نہیں چلے گا کہ فلاں نے تحریر کیا تو میں نے کتابت کر دی۔ میں نے چھاپ دیا۔ میں نے چھپوایا۔ فلاں نے بیچا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے تجھ کو عقل سمجھ اور علم دیا تھا۔ تو اسے استعمال کرتا۔ لہٰذا اب سزا بھگت۔

ڈاکٹر فاروق احمد (بھارت)

(ڈاکٹر عبد الغنی فاروق)

سوال! ڈاکٹر صاحب آپ کا تعارف اور قبول اسلام کی وجوہات؟

جواب! میرا آبائی نام ڈاکٹر انند ریڈی تھا اور مذہب ہندو مت۔ جنوبی ہند کے شہر وشاکھا پٹنم میں پیدا ہوا۔ وہیں تعلیم پائی۔ ڈاکٹر کا کورس (G.C.I.M) کیا اور حیدر آباد میں پریکٹس شروع کی۔

عملی زندگی میں آئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایک روز میرے پاس ایک ایسا مریض آیا جو طویل عرصے سے بیمار چلا آ رہا تھا۔ میرے مسلسل علاج اور توجہ سے وہ صحت یاب ہو گیا اور عقیدت مندی و اخلاص سے اصرار کرنے لگا کہ میں اس کے قصبے حمایت نگر میں آؤں۔ اس کا یہ اصرار بعد میں شدت اختیار کر گیا۔ وہ مسلسل خطوط لکھتا رہا کہ میں مستقلاً" حمایت نگر منتقل ہو جاؤں ۔ وہ یقین دلاتا تھا کہ وہاں مجھے ہر طرح کی سہولت اور تعاون ملے گا۔ اس کی دلیل میں خاصا وزن تھا کہ حمایت نگر میں چونکہ کوئی ڈسپنسری یا ڈاکٹر نہیں اس لئے میرا وہاں جانا انسانی نقطہ نظر سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے چنانچہ میرے دوست مریض کا اصرار بل آخر رنگ لایا اور میں حمایت نگر منتقل ہو گیا۔

حمایت نگر ایک ایسا قصبہ ہے جس میں ہندو مسلم مخلوط سوسائٹی کار فرما ہے۔ چند دنوں میں میری پریکٹس اچھی خاصی چل نکلی۔ دوست احباب میں خاصی تعداد مسلمانوں کی بھی شامل ہو گئی اور میں ان کے معاشرتی نظام اور اطوار سے بڑا متاثر ہوا۔

سب سے زیادہ جس پہلو نے مجھے متاثر کیا وہ عورتوں کا پردہ تھا۔ مجھے شروع ہی سے ہندوؤں کی بے پردگی سے وحشت ہوتی تھی اور میں مندر میں پوجا کے لئے بھی اس لئے نہیں جاتا تھا کہ وہاں مرد اور عورتیں یکجا پوجا کرتی تھیں اور تقدس کے جذبات کے بجائے جنسی و سفلی احساسات غالب رہتے تھے۔ اسی سبب سے میں نے اہلیہ کو بھی کبھی مندر میں نہیں جانے دیا تھا۔

دوسری چیز جس سے میں نے گہرا اثر لیا وہ روزے کی عبادت ہے۔ مسلمان رمضان میں صبح سے شام تک منہ باندھے خالی پیٹ رہتے تو میں اس کے بدنی فوائد کے ساتھ ساتھ ان اثرات پر

بھی غور کرتا رہتا جو نفسی طہارت وپاکیزگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ میں نے اس کا تجربہ روزہ رکھ کر کیا اور خود محسوس کیا کہ اس سے نیکی کے جذبات کس قدر نمایاں ہوتے ہیں۔ یہی حال میری اہلیہ کا تھا وہ بھی رمضان میں کئی روزے رکھتی اور ان کے فیوض سے متمتع ہوتی۔

تیسری چیز جس نے ہمیں اسلام کے قریب کیا وہ اردو زبان تھی۔ ہماری مادری زبان تیلگو تھی مگر حمایت نگر میں آئے اور یہاں ہم نے پندرہ برس کا طویل عرصہ گزارا تو ہمارے بچے اردو سیکھ گئے۔ وہ ہر وقت اردو میں باتیں کرتے اور تیلگو کو چنداں پسند نہ کرتے۔ ہم میاں بیوی بہت فکر مند ہوئے کہ ہماری ساری برادری تیلگو زبان بولتی ہے مگر بچیوں اور بچوں میں سے کسی کو یہ زبان پسند نہیں ہے اور وہ اردو ہی کو محبوب جانتے ہیں۔ پھر ان کی شادیوں کا کیا بنے گا اور ان کا مستقبل کیا ہو گا؟ سوچ سوچ کر ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں حمایت نگر کی سکونت ترک کر کے واپس اپنے شہر کو چلے جانا چاہیے۔ وہاں ہماری زمین بھی تھی اور عزیز رشتہ دار بھی۔

حمایت نگر میں رہتے ہوئے ہمیں پندرہ سال بیت گئے تھے۔ چنانچہ اس قصبے کو چھوڑتے ہوئے وہاں کے لوگوں نے جس پریشانی اور خلوص و محبت کا مظاہرہ کیا وہ دیدنی تھا۔ وہ دور تک ہمیں الوداع کہنے آئے۔ ان کے بہتے ہوئے آنسو صاف بتا رہے تھے کہ ہماری جدائی ان پر شاق گزرے گی۔ ہم بھی رو رہے تھے مگر یہ فیصلہ ہم نے بامر مجبوری کیا تھا۔

وشاکھا پٹنم میں واپس آئے اور اپنے ان عزیزوں سے جو ہماری زمین کاشت کر رہے تھے، زمین واپس مانگی تو گویا ان کی نظریں ہی بدل گئیں۔ نفرت اور بغض ان کا شعار بن گیا اور کدورت ان کے ایک ایک عمل سے نمایاں ہونے لگی۔ اپنے باپ دادا کی یہ سرزمین اور جنم بھومی ہمیں زہر لگنے لگی۔ یہاں زندگی گزارنا دوبھر ہو گیا۔ رہ رہ کر حمایت نگر کے لوگوں کی اپنائیت اور محبت یاد آنے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہم نے دوبارہ بوریا بستر سمیٹا اور وشاکھا پٹنم کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر حمایت نگر لوٹ آئے۔

یہاں کے لوگوں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ان کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پریکٹس پہلے سے بھی زیادہ چلنے لگی اور وہ تلخیاں جو اپنے آبائی شہر کے عزیز رشتہ داروں کے ہاتھوں ملی تھیں، یکسر نابود ہو گئیں۔

حمایت نگر میں ہمیں محبت کا جو ماحول ملا تھا، اس میں غالب حصہ مسلمانوں کی طرف سے تھا،

یوں بھی اسلامی معاشرت سے بہت متاثر ہوا تھا۔ بچوں کی دوستیاں بھی مسلمانوں ہی سے تھیں اور وہ مسلمانوں کی زبان اردو بولتے تھے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں مسلمان ہو جانا چاہئے۔ بیوی سے ذکر کیا تو اس نے بھی خوشدلی سے میری تائید کی اور بچوں کو تو گویا ان کی منزل مقصود مل رہی تھی چنانچہ میرے سارے گھرانے نے نہایت جوش و خروش سے مگر طویل غور و فکر کے بعد آخر کار اسلام قبول کرلیا۔

سوال! قبول اسلام کے بعد عام لوگوں کا رد عمل کیا تھا؟

جواب! رد عمل بڑا عجیب تھا۔ ہندوؤں میں تو ناراضگی بلکہ غیظ و غضب کی لہر اٹھی ہی تھی مگر مسلمان بھی کھچے کھچے رہنے لگے۔ شاید اس لئے کہ کہیں میری اس حرکت سے مسلم کش فسادات نہ شروع ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بائیکاٹ کی سی صورت حال پیدا ہو گئی اور میری پریکٹس بری طرح متاثر ہوئی۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں استقامت بخشی اور ہم اس کے دین پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔

یہی ایام تھے کہ جب ایک روز نانڈیڑ کے سابق امیر جماعت اسلامی حمید اختر صاحب مجھے ملنے آئے۔ انہیں ہمارے قبول اسلام کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ موجودہ حالت سے بھی باخبر تھے۔ انہوں نے پیشکش کی کہ جماعت اسلامی نانڈیڑ میں ایک مفت شفاخانہ قائم کر رہی ہے' میں اس کا انچارج بن جاؤں اور یہ کہ ابتدائی طور پر آٹھ سو روپے ماہوار اور مشاہرہ مقرر کیا جائے گا۔ میں نے یہ پیشکش قبول کرلی اور آج کل یہی فرائض انجام دے رہا ہوں۔

سوال! قبول اسلام کے بعد آپ نے اسلام کو پورا پورا سمجھنے کے لئے کون کون سے کتابوں کا مطالعہ کیا؟

جواب! سب سے پہلے میرے لئے وقت طلب مسئلہ نماز میں عربی سورتوں کا پڑھنا تھا۔ میں اردو اور عربی سے قطعی نابلد تھا۔ اس لئے قرآنی آیات آسانی سے زبان پر نہ چڑھتی تھیں۔ اس مشکل کا ذکر میں نے اپنے ایک مسلمان دوست سے کیا۔ انہوں نے میرا تعارف ایک مسلمان استاد اسد صاحب سے کرایا جو ایک گاؤں میں اسکول ماسٹر ہیں۔ انہوں نے مجھے نماز کی ایک ایسی کتاب لا دی جس کا عربی تلفظ تیلگو میں تھا اور ساتھ ہی ساتھ تیلگو اور عربی زبان میں ترجمہ بھی تھا۔ اس سے میں نے عربی سورتوں کو آسانی سے یاد کرلیا۔ میں نے قرآن کا مطالعہ بھی شروع کر دیا جس سے عربی

متن تیلگو زبان میں تھا۔ قرآن کے مسلسل مطالعے نے مجھے ایسا ذہنی سکون بخشا جس کی لذت ناقابل بیان ہے۔ میں نے جماعت اسلامی کے لٹریچر اور مولانا مودودیؒ کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا جس سے مجھے اسلام کو سمجھنے میں بہت آسانی ہوئی۔ میری اہلیہ نے بھی اس لٹریچر کا مطالعہ کیا۔ اللہ کے فضل سے دین کے علم نے ہمارے دلوں کو منور کیا۔ یہ اسی کا کرم ہے کہ قبول اسلام کے بعد سے آج تک ہماری کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ میرے ایسے مسلمان دوست جو بد قسمتی سے نماز نہیں پڑھتے' ملنے آتے ہیں اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو میں معذرت خواہ ہوتا ہوں کہ نماز کی وجہ سے میں زیادہ وقت نہیں دے سکتا اور انہیں نماز کے بعد تک انتظار کا کہہ کر مسجد میں چلا جاتا ہوں تو ان پر خصوصی اثر ہوتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں میرے اس طرز عمل کی وجہ سے پکے نمازی ہو گئے۔

سوال! قبول اسلام کے بعد آپ نے قبل اسلام زندگی اور موجودہ زندگی میں کیا فرق محسوس کیا؟

جواب! قبول اسلام کے بعد میں نے موجودہ زندگی میں سب سے پہلے اطمینان قلب محسوس کیا اور سکون کی وہ مسرت پائی جو پہلے کبھی مجھے نصیب نہ ہوئی تھی۔ زیادہ کمانے اور دولت بنانے کی جس ہوس نے مجھے بے اطمینانی سے دو چار کر دیا تھا' جاتی رہی۔ اب قناعت کو میں نے بہت بڑی نعمت پایا ہے اور اس پر میں رب عظیم کا جتنا بھی شکر کروں' کم ہے۔

سوال! مسلمان برادری کے لئے آپ کا کوئی پیغام؟

جواب! میں صرف اتنا کہوں گا کہ ہم سب کو اسلام کا عملی نمونہ بن جانا چاہئے۔ اس ماڈرن دور میں غیر مسلم صرف مسلمان کے عمل کو دیکھ کر ہی اسلام کو سمجھ سکتا ہے۔ جیسا کہ قبل اسلام خود میرا تاثر یہی تھا۔ اگر ہر مسلمان قرآن کا عملی نمونہ بن جائے تو دنیا اسلام کی نعمت سے مالا مال ہو جائے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بس یہی میرا پیغام ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کا عملی نمونہ بننے کی توفیق عطا کرے۔ آمین

انٹرنیٹ کے ذریعے تعلیمی انقلاب

انٹرنیٹ علم کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور کسی نے بالکل سچ کہا ہے کہ امریکہ نے جو جو سائنسی و علمی ترقی 2 سو سال میں کی ہے وہ پاکستان انٹرنیٹ کو بروئے کار لا کر صرف دس برس میں کر سکتا ہے۔

اس تناظر میں اگر ہم تعلیمی نظام میں انٹرنیٹ کو اہمیت نہیں دیتے تو خدشہ ہے کہ اکیسویں صدی میں بھی تعلیمی ترقی کی دوڑ میں ہم دنیا سے پیچھے رہ جائیں گے۔

انٹرنیٹ تعلیمی انقلاب کیسے برپا کر سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انٹرنیٹ کی وسعت و امکانات کو نہ سمجھ لیا جائے۔ انٹرنیٹ کو بجا طور پر اکیسویں صدی کا معجزہ کہا جاتا ہے دنیا کو پہلے بھی گلوبل ویلج کہا جاتا رہا ہے تاہم انٹرنیٹ کے آنے سے یہ اصطلاح واقعتاً حقیقت کا روپ دھار گئی ہے۔ انٹرنیٹ نے مواصلاتی رابطے کے ضمن میں تو وہ انقلاب بپا کیا ہی ہے' تاہم علم و سائنس کے فروغ میں بھی انٹرنیٹ کے انقلابی کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ای میل کے ذریعے پلک جھپکتے میں دنیا کے ہر کونے میں پیغامات' تصاویر اور فائلیں بھیجی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ فون اور ویڈیو کی سہولت بھی حاصل ہے۔ تاہم انٹرنیٹ کی اصل تعریف یہ ہے کہ وہ علم کا سمندر ہے جس میں تمام انسانی علوم اور دریافتوں کو دریا کو کوزے میں مصداق بند کر دیا گیا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذخیرے میں لاکھوں ایسے ویب سائٹ موجود ہیں' جن میں ہر موضوع پر دنیا بھر میں آج تک ہونے والی تحقیق کو مجمع کر دیا گیا ہے۔ "ویب" کو آپ کسی موضوع کی ڈکشنری بھی کہہ سکتے ہیں اور لائبریری بھی۔ بہت سے لوگ یہ سن کر حیران رہ جاتے ہیں کہ دنیا کی تمام بڑی بڑی لائبریریوں کو ان کے تمام تر کتابی ورثے سمیت انٹرنیٹ پر منتقل کر دیا گیا ہے اور پاکستان کے دور دراز مقامات پر بیٹھا ہوا شخص بھی' جس کے پاس انٹرنیٹ کا کنکشن موجود ہے نہ صرف ان لائبریریوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ بلکہ جس کتاب کو چاہے پلک جھپکتے میں اپنے

کمپیوٹر کی ڈسک میں منتقل کر کے اپنی لائبریری کا حصہ بنا سکتا ہے یہی وہ بات ہے کہ جو اس خیال کو راسخ کرتی ہے کہ انٹرنیٹ کے ذریعے صدیوں کا سفر برسوں میں طے کیا جا سکتا ہے۔

ملک کے تعلیمی حلقوں میں یہ تاثر موجود ہے کہ ہمارا تعلیمی نصاب دقیانوسی اور ہر لمحہ بدلتی ہوئی تحقیقی دنیا سے مماثلت نہیں رکھتا۔ خاص طور پر سائنس و ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ہم آج کے ترقی یافتہ ممالک سے نصف صدی پیچھے ہیں۔ ہمارے ہاں ایف ایس سی سے لیکر ایم ایس سی تک جو کتب پڑھائی جاتی ہیں ان میں وقت اور تحقیقی تبدیلیوں کے حوالے سے ترمیم و اضافے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ اسی طرح انجینئرنگ اور طب کے میدان میں بھی جو تبدیلیاں آ رہی ہیں، وہ ہم تک پہنچتے پہنچتے ترقی یافتہ دنیا میں ازکار رفتہ ہو چکی ہوتی ہیں۔ ایسی خبریں تو اکثر سامنے آتی ہیں کہ جن ادویات کو مغرب یا امریکہ میں تحقیق کے بعد رد کر دیا گیا ہوتا ہے وہ پاکستان میں بھیج دی جاتی ہیں۔

انٹرنیٹ سے پہلے ہمارے پاس سوائے اس کے اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ ہم یورپ اور امریکہ میں ہونے والی تحقیق اور شائع ہونے والی کتابوں کا برسوں تک انتظار کریں۔ ایک طرح سے ہمیں اہل مغرب کی اترن ملتی تھی اور وہ بھی اس وقت جب اس کی افادیت ختم ہو چکی ہوتی تھی۔ انٹرنیٹ کی بدولت اب یہ صورت حال باقی نہیں رہی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ انٹرنیٹ نے علم کے میدان میں عالم انسانیت کے لئے اصول مساوات کو تسلیم کر لیا ہے۔ اب کوئی بھی ملک انٹرنیٹ کے ذریعے اپنے علمی ذخیرے کو اپ ٹو ڈیٹ کر سکتا ہے جو تحقیق امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی میں ہو رہی ہے، اس سے پاکستان کی کوئی بھی یونیورسٹی فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہر موضوع پر ماضی میں کی جانے والی تحقیق کے بارے میں تمام تر مواد بھی انٹرنیٹ کے ذخیرے میں محفوظ کر دیا گیا ہے جس سے کوئی بھی بلا روک ٹوک استفادہ کر سکتا ہے۔ امریکہ کی انٹرنیٹ ایسوسی ایشن کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً تین کروڑ کتابیں انٹرنیٹ کے مختلف ویب سائٹس میں منتقل کر دی گئی ہیں۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ موجودہ حکومت انٹرنیٹ کو فروغ

دینے کے لئے انفارمیشن ٹیکنالوجی کو بڑی اہمیت دے رہی ہے تاہم ابھی اس ضمن میں کی جانی والی کوششوں کی رفتار وہ نہیں جس کا تقاضا ہمارے حالات کرتے ہیں خاص طور پر انٹرنیٹ کے ذریعے تعلیمی انقلاب برپا کرنے کی سمت کوئی معرکتہ الاراپیش رفت سامنے نہیں آرہی۔ حکومت نے سو سرکاری کالجوں میں کمپیوٹر کلاسز شروع کرنے کی منظوری دی ہے۔ جو میرے نزدیک انتہائی ناکافی ہے۔ فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام سرکاری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک کمپیوٹر کی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔ میٹرک' ایف ایس سی' بی ایس سی اور ایم ایس سی کے علاوہ انجینئرنگ اور میڈیکل کے طلبہ و طالبات کے لئے انٹرنیٹ کی تربیت اور استعمال کو لازمی قرار دینا وقت کی ضرورت ہے۔ کمپیوٹر کی تعلیم کو صرف کمپیوٹر میں کیرئیر بنانے والوں تک محدود رکھنا نامناسب بات ہوگی۔ کیونکہ کمپیوٹر انٹرنیٹ کی وجہ سے انفارمیشن ٹیکنالوجی بن چکا ہے' جس کی شدید اب ہر علم و فن کے لئے ضروری ہے۔ اگر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی تعلیم کو اسکولوں کی سطح پر لازمی قرار دیدیا گیا تو چند سالوں ہی میں حیرت انگیز تعلیمی انقلاب آئے گا۔

ساری دنیا اس بات کی قائل ہو چکی ہے کہ اکیسویں صدی کمپیوٹر کی صدی ہے ہمیں بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ کمپیوٹر انٹرنیٹ سے منسلک ہوا ہے اسے بجا طور پر علوم و فنون کا خزانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اب اس کا استعمال قوموں کی برادری میں علمی برتری اور اقتصادی خوشحالی کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے اس لئے مکھی پر مکھی مارنے کے بجائے ہمیں دنیا کی جدید ایجادات کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہیے اور انٹرنیٹ ایک ایسی ایجاد ہے جس کا قومی سطح پر دانشمندی اور منصوبہ بندی کے ساتھ استعمال ہمیں سائنس و ٹیکنالوجی اور علم کے میدان میں ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ بنا سکتا ہے۔

(مرسلہ! محمد عثمان)

اخلاق اور اخلاقیات

(چوہدری محمد حسین)

کسی کام کو بار بار کرنے سے اس کی انجام دہی میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے اسے عادت کہتے ہیں۔ عادت جب پختہ ہو جاتی ہے تو اسے ملکہ کہتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو فلاں کام میں بڑا ملکہ حاصل ہے۔ جب ملکہ راسخ ہو جاتا ہے تو اسے خلق کہتے ہیں اور خلق کی جمع اخلاق ہے۔ امام غزالیؒ جو حکمت و فلسفہ، نفسیات انسانی اور دانش ایمانی و برہانی کے سرخیل ہیں خلق کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فالخلق عبادة عن ہیت فی النفس رسخه عنها تصدر الافعال بسہوله ویسر من غیر حاجه الی الفکر یعنی خلق طبیعت کی ایسی راسخ کیفیت کا نام ہے جس سے اعمال سہولت بلا تکلف و تردد صادر ہوتے ہیں۔ اس تعریف کے مطابق خلق کا اطلاق انہی فضائل و عادات پر ہو گا جو پختہ ہوں اور جن سے متقاضی افعال کا صدور ردعمل کے طور پر فوراً" ہو۔ اتفاقاً" یا کسی وقتی اور عارضی جوش کے تحت صادر ہونے والے اعمال خلق کے زمرے میں نہیں آتے۔ وقتی طور پر کسی ترنگ میں آ کر محتاجوں میں مال تقسیم کرنے والے کو سخی یا وقتی جوش کے تحت دشمن کو مار گرانے والے کو شجاع نہیں کہا جائے گا۔

حکائت

کہتے ہیں کہ برصغیر میں انگریز کے دور حکومت میں ایک خاص علاقے یا قومیت کے افراد کو انکی کی مبینہ بزدلی کے باعث فوج میں بھرتی نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ اس علاقے یا قومیت کے ایک فرد نے اصرار کیا کہ ان پر بزدلی کی تہمت جھوٹ ہے اس کی بہادری کا امتحان لیا جائے اور اس کی قوم کے افراد کے لئے بھی عسکری ملازمت کے دروازے کھولے جائیں۔ انگریز افسر نے اس کی بہادری جانچنے کے لئے اسے ایک درخت کے ساتھ کھڑا کر کے بندوق سے نشانہ باندھ کر اس کی ٹوپی میں گولی ماری جس سے اس کی ٹوپی پھٹ گئی اور زمین پر گر گئی مگر وہ شخص سیدھا کھڑا رہا۔ انگریز فوجی افسر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس کی ٹوپی کی قیمت دی جائے اور اسے فوج میں بھرتی کیا جائے اس پر وہ وہ شخص بولا کہ ٹوپی کے ساتھ دھوتی کی بھی قیمت دی جائے کیونکہ..............

اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ لیکن خوش خلقی ایمان کا تقاضا ہے جس طرح زمین میں بیج بویا جائے اور وقت پر پانی دیا جائے تو نتیجتاً" ایک صحت مند پودے کا اگنا ایک لازمی امر ہے اسی طرح ایمان کے نتیجے میں مومن سے اخلاق حسنہ کا ظہور ضروری ہے۔ لہٰذا جو مسلمان خوش خلق نہیں اسے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔

اخلاق کی اقسام

حکماء نے اخلاق کی دو قسمیں بتائی ہیں ایک اکتسابی اور دوسرے وہبی، جبلی، فطری یا طبعی۔ اکتسابی اخلاق وہ ہوتے ہیں جو ماحول معاشرے یا صحبت افراد سے اخذ کئے جاتے ہیں یا پھر تکلفاً" کسی کام کے تکرار سے جیسے اوپر بیان ہوا ہے عادات پختہ ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہیں۔ تکبر، انکساری، تواضع غیبت، جھوٹ سچ دھوکہ بازی راست گفتاری بد عہدی چوری گالم گلوچ بد زبانی وغیرہ سب اکتسابی اخلاق کی مثالیں ہیں۔ وہبی یا طبعی اخلاق وہ ہوتے ہیں جو قدرت کی طرف سے انسان کی طبیعت میں رکھ دیئے جاتے ہیں ان میں ماحول یا تربیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا جیسے طبیعت کی نرمی یا سختی۔ شجاعت و سخاوت کنجوسی وغیرہ۔ بعض علماء و حکما کا خیال ہے کہ اخلاق تبدیل نہیں ہوتے اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں حضور نبی پاک ﷺ کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ جن کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے۔

1۔ "اگر کوئی کہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو مان لو اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص نے اپنی عادت چھوڑ دی ہے تو مت مانو"

اسی مفہوم کو پنجاب کے شیکسپیر پیر وارث شاہ صاحبؒ نے یوں بیان کیا ہے

وارث شاہ نہ عادتاں جاندیاں نی بھاویں کٹئیے پوریاں پوریاں نی

2۔ "لوگ سونے اور چاندی کی کانوں کی مانند ہوتے ہیں" یعنی ان کے خصائل بدلتے ہیں (زنگی بشستن نہ گردد سفید)

دوسرے گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ اخلاق تبدیل ہو سکتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر عادات و اخلاق تبدیل نہیں ہو سکتے تو پھر پیغمبروں کی بعثت اور نفاذ شریعت عبث ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی فعل عبث نہیں ہوتا۔ مشاہدہ اور تجربہ بھی اس بات کا شاہد ہے کہ کئی برے آدمی نیکوں کی صحبت سے نیک اور نیک آدمی صحبت بد سے برے ہو جاتے ہیں۔ صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند

صحبت کے علاوہ تعلیم و تربیت بھی انسانی اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ کچھ اخلاق بدل جاتے ہیں اور کچھ نہیں بدلتے۔ اب اگر بنظر غائر و تحقیق دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اکتسابی اخلاق بدل جاتے ہیں اور وہبی اخلاق نہیں بدلتے البتہ تعلیم تربیت سے انکا رخ نیکی کی طرف موڑا جا سکتا ہے اور انہیں قدری معتدل کر کے فضیلت میں بدلا جا سکتا ہے مثلاً" طبیعت کی سختی یا نرمی اور شقاوت یا سعادت وغیرہ۔ نبی پاک ﷺ کی جو احادیث مبارکہ اوپر بیان ہوئی ہیں وہ ایسی ہی عادات و اخلاق کے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت میں اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی سختی تھی اور یہ عنصر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی غالب رہا مگر صحبت و تربیت رسولؐ نے اس کا رخ صحیح سمت میں موڑ

دیا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ننگی تلوار ہاتھ میں لیکر نبی پاک ﷺ کے قتل کے ارادہ سے نکلنا راستہ میں بہن اور بہنوئی کے اسلام کی خبر پا کر انہیں مار مار کر لہو لہان کرنا طبیعت میں سختی ہی کی مثالیں ہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کی رائے طلب کرنے پر اسیران بدر کو ان کے مسلمان رشتہ داروں کے حوالے کرنے کی رائے دینا تاکہ وہ انہیں قتل کر دیں اور اسلام کی ہیبت کفار کے دلوں پر بیٹھ جائے اور ایک منافق کو جس نے حضور کا فیصلہ قبول نہیں کیا اور دوبارہ فیصلہ کروانے کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس گیا یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ جسے حضور ﷺ کا فیصلہ منظور نہیں اس کا فیصلہ عمرؓ کی تلوار کرتی ہے' اسلام قبول کرنے کے بعد کی مثالیں ہیں۔ اس کے برعکس حضرت ابوبکرؓ اسلام سے پہلے بھی نرم طبیعت تھے اور یہی نرمی اسلام کے بعد بھی قائم رہی۔ اسی لئے بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے مشورہ دیا تھا کہ انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں تاریخ کے اوراق میں مل سکتے ہیں۔

جس طرح اوپر بیان ہوا اخلاق اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی۔ اچھے اخلاق کو فضائل نفس اور برے اخلاق کو رذائل نفس بھی کہا جا سکتا ہے۔ انسانی طبیعت میں بہت سے فضائل و رذائل ہوتے ہیں مگر ہم یہاں صرف چار بنیادی فضائل اور ان کے مقابل بجانب افراط و تفریط آٹھ رذائل سے بحث کریں گے۔ حکماء نے جو چار بنیادی فضائل بیان کئے ہیں وہ علمیت' شجاعت' عفت اور عدالت ہیں۔ باقی جتنی بھی اخلاقی اقدار ہیں سب کی سب انہی چار فضائل کی ذیلی شاخیں ہیں مثلاً" ذکا' سرعت فہم' حسن تعقل' تحفظ و تذکر وغیرہ فضیلت علمیت کے ارکان ہیں۔ کبر نفس' علو ہمتی' حلم' تحمل' سکون' غیرت و حمیت اور رقت جیسے فضائل فضیلت شجاعت کے ذیل میں آتے ہیں۔ حیا حسن ہدی صبر و قناعت' وقار اور سخاوت وغیرہ فضیلت عفت کی فروع ہیں اسی طرح عدالت کے تحت صداقت' الفت و محبت' وفا' صلہ رحمی شفقت حسن قضا تسلیم اور توکل جیسے اخلاق حسنہ آتے ہیں۔ ملا جلال الدین دوانی مصنف "اخلاق جلالی" نے ان فضائل کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں انہی فضائل چہار گانہ کی ذیل میں لکھی ہیں۔

ہر شے یا امر کا ایک وسط ہوتا ہے جسے نقطہ اعتدال یا میانہ روی کہتے ہیں اور ہر عمل میں میانہ روی ہی پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے خیر الامور اوسطھا اسی طرح ہر انسانی خصلت کا ایک وسط یا نقطہ اعتدال ہوتا ہے جو اس خصلت کی فضیلت ہوتی ہے۔ نقطہ اعتدال سے کمی یا بیشی فضیلت کی بجائے رذالت بن جاتی ہے دوسرے لفظوں میں افراط و تفریط کے درمیان نقطہ اعتدال ہی فضیلت ہے جس طرح دو نقطوں کے درمیان سیدھا خط یعنی خط مستقیم صرف ایک ہی ہوتا ہے اور ٹیڑھے خطوط بے شمار ہوتے ہیں اسی طرح اصل فضیلت ایک خصلت کی ایک ہی ہوتی ہے جو نقطہ اعتدال پر ہو۔ اس کے مقابلے میں درجات کے لحاظ سے افراط اور تفریط دونوں جانب رذالتیں ان گنت ہو سکتی ہیں مگر یہاں

صرف ایک ایک فضیلت کے مقابلے میں دو دو رذالتوں یعنی ایک بطرف افراط اور دوسری بجانب تفریط کا ذکر کیا جائے گا اس طرح مذکورہ چار فضائل یا فضیلتوں کے مقابل آٹھ رذالتیں ہونگی۔

1۔ فضیلت علمیت یا تفکر

اس کے افراط کی طرف جو رذالت ہے اسے سفہ کہتے ہیں جس کا مطلب ہے معمولی سے معمولی بات پر غیر واجب غور و فکر کرنا اور خواہ مخواہ غیر ضروری علمی نقاط پیدا کر کے بال کی کھال اتارنا یا کیڑے نکالنا۔ ایسا طرز عمل مستحسن نہیں ہے ایسے آدمی کو کریزی کہتے ہیں۔ تفریط کی جانب جو رذالت ہے اسے بلہ کہتے ہیں جس کا مطلب ہے قوت فکر کو بہ ارادہ معطل کرنا یا ضرورت کے مقام پر اس کا ترک استعمال ہے اسے جہل سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

2۔ شجاعت

اس کے طرفین تہور اور جبن ہیں۔ تہور افراط کی جانب جس کا مطلب خواہ مخواہ خطروں میں کودنا ہے جسے عقل سلیم درست تسلیم نہ کرے۔ جبن سمت تفریط۔ اس کا مطلب بزدلی ہے یعنی ایسی چیزوں سے خوف کھانا جن سے ڈرنا اہل دانش کے نزدیک اچھا نہیں۔

3۔ عفت

عفت میں افراط کو شرہ کہتے ہیں جس کا مطلب ہے نفس کا مقدار مستحسن سے زیادہ لذات و شہوات میں منہمک ہونا ہے اور تفریط کی طرف خمود ہے جس کا مطلب ہے ضروری لذائذ اور واجب حوائج جو کہ شرعاً" اور عقلاً" مستحسن ہیں کو بھی ترک کرنا۔

4۔ عدالت

عدالت کے بطرف افراط ظلم ہے اور بجانب تفریط انظلام، ظلم کا مطلب دوسروں کے حقوق غصب کرنا اور انظلام کا مطلب ہے ظلم سہنا یا ظالم کو ظلم کرنے دینا بعض حکماء عدالت کے دونوں جوانب کو ظلم سے ہی تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنا بھی اپنے نفس پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

اگر تھوڑا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ عدالت ایک جامع کمال ہے کیونکہ سفہ اور بلہ میں جب عدالت کار فرما ہو کر ان میں اعتدال قائم کرتی ہے تو وہ علمیت بن جاتی ہے۔ اسی طرح تہور اور جبن میں جب عدل قائم ہوتا ہے تو فضیلت شجاعت وجود میں آتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ مذکورہ فضائل چہار گانہ کے علاوہ بھی جو فضائل نفس ہیں ان میں بھی عدالت کا ہی عمل دخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر تواضع جو کہ

اخلاقیات میں ایک نہایت ہی پسندیدہ فضیلت ہے' ذلت اور تکبر میں جب عدالت کے ذریعے تہذیب ہوتی ہے تو معرض وجود میں آتی ہے۔ اسی طرح ظلم بھی عدالت کے مقابل تمام رذالتوں کا جامع ہے۔ ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اپنی اصلی اور صحیح جگہ سے ہٹا دینا ہے۔ اب بادنی تعمق یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر خلق یا عادت اسی وقت رذالت بنتی ہے جب وہ اپنی اصلی حالت یعنی نقطہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہو۔ کمی کی طرف مائل ہو یا بیشی کی طرف۔ مثال کے طور پر فضیلت شجاعت جب نقطہ اعتدال سے ہٹ کر افراط کی طرف مائل ہو تو تہور بن جاتی ہے اور جب تفریط کی طرف ہٹ جائے تو جبن یعنی بزدلی بن جاتی ہے اسی پر باقی رذائل کو قیاس کیا جا سکتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ تمام رذائل میں ظلم ہی کا دخل ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عدالت اس لحاظ سے ام الفضائل اور ظلم ابوالرذائل ہے۔ اب اگر عالم انفس و آفاق میں داخلی طور پر نفسانی خواہشات میں اور خارجی طور پر معاشی و معاشرتی معاملات میں عدل قائم کر دیا جائے تو ظلم ختم ہو جائے گا اور برائی کی جڑ کٹ جائے گی۔

جب ان فضائل چہارگانہ میں محبت کی شرینی مل جاتی ہے تو ایک فرزند لطیف وجود میں آتا ہے جسے حکمت کہتے ہیں اور جو تمام فضائل کا حاصل ہے جیسا کہ اللہ کریم نے فرمایا ہے یوتی الحکمه من یشاء ومن یوت الحکمه فقد اوتی خیرا کثیرا (اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر ملی) اب عنان کار حکمت کے قبضہ میں ہو گی تو نتیجتہً "اخلاق حسنہ کا دور دورہ ہو گا اور معاشرہ جنت نظیر بن جائے گا۔ یہ دنیا (معاشرہ) چونکہ آخرت کی کھیتی ہے جب کھیتی اچھی ہو گی تو اس کا حاصل آخرت بھی اچھی ہو گی یہی مطلوب و مقصود ریاست و سیاست و رسالت ﷺ ہے۔ (جاری ہے)

اطلاع

گذشتہ دنوں حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی صاحبزادی جن کی رہائش اسلام آباد میں تھی خالق حقیقی سے جا ملیں۔ فیصل آباد کے بھائی اشتیاق احمد کشتہ صاحب کے والد اور گوجرانوالہ کے بھائی حاجی بشیر احمد بٹ صاحب کے بہنوئی بھی انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سب برادران دعائے مغفرت فرمائیں۔

بصیرت الٰہی و عشق

(عبدالرشید ساہی)

شعر نمبر1

سما سکتا نہیں پنہائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

ترجمہ! علامہ اقبال فرماتے ہیں عشق حقیقی، عاشق کو زمان و مکاں کی قیود سے آزاد کر دیتا ہے ذات کبریا کے ساتھ عشق کی بدولت انسانی نگاہ میں اس قدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کائنات اسے چھوٹی نظر آنے لگتی ہے کیونکہ عشق کی تاثیر سے مادی جسم کثافت سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ ایک آن میں زمین و آسمان کی بلندی و وسعت کو عبور کر لیتا ہے۔ واقعہ معراج النبی ﷺ کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے قرآن مجید میں جا بجا ایسے واقعات بیان فرمائے گئے ہیں جن کو عقل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں آن واحد میں ملکہ صبا کا تخت لا حاضر کرنا بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے کہ انسان رضائے الٰہی کے ماتحت زندگی گزارنا شروع کر دے تو خدائی طاقتیں اس کے ہمرکاب ہو جاتی ہیں پھر یہ مقام آ جاتا ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جو انسان خدائی حدود و قیود کے اندر رہ کر زندگی کا مصرف کرتا ہے وہ لاہوتی طاقتوں کا خزانہ ہوتا ہے کیونکہ محبوب کی محبت سے محب اعلیٰ و ارفع مقاصد حاصل کر سکتا ہے۔ محبوب کی محبت میں ترقی کرتے رہنے میں ہی دائمی زندگی کا راز ہے۔

نمبر2

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

علامہ اقبال فرماتے ہیں موحد اپنی خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتا ہے یعنی قوائے فطرت کو

مسخر کر سکتا ہے' اس کائنات پر غلبہ پا سکتا ہے' زمین و آسمانوں پر حکمرانی کر سکتا ہے' تمام مادی طاقتوں کو مغلوب کر سکتا ہے۔

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانے کے لئے بڑے احسن طریقہ سے بات کی ہے فرماتے ہیں اللہ نے کائنات اس لئے نہیں بنائی کہ انسان اس کی پرستش کریں بلکہ اس لئے کہ وہ اس پر حکومت کرے پس تو اپنے اندر وہ طاقت پیدا کر کہ یہ کائنات تیری بن جائے آپ نے اپنی تمام شاعری میں قرآن حکیم کے ارشاد صریح کی ترجمانی کی ہے یہ کتاب مقدس جو کہ تمام علوم ربانی کی سردار ہے اس کا خالق بھی تمام جہانوں اور کائناتوں کا سردار ہے۔ اس کو لوح محفوظ یعنی دفتر علوم سے لانے والا فرشتہ تمام ملائکہ کا سردار ہے اور جس رسول ﷺ پر یہ کلام نازل فرمایا گیا وہ رسول تمام انبیاء علیھم السلام کا سردار اور رحمت للعالمین ﷺ ہے۔ مندرجہ بالا بات ذہن نشین کر لینے سے کلام پاک قرآن حکیم کی عظمت کا احساس خود بخود ذہن میں انگڑایاں لے گا۔ علامہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب قرآن مجید' انسان کو بار بار خوشخبری سناتی ہے کہ یہ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے سب تیری خدمت کے لئے ہے یہ اس لئے بنائی گئی ہے کہ تو اس پر حکومت کرے اس لئے یہ تیرا فرض بنتا ہے کہ تو اس کو مسخر کرے لیکن یہ کام تسخیر والا جبر اور تشدد سے نہیں ہو گا بلکہ کردار کی پاکیزگی اور طہارت سے انجام پائے گا۔

تلوار سے دنیا کی امامت نہیں ہوتی
کردار کی خوشبو سے الٹ جاتے ہیں آفاق

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تسخیر کائنات کیسے کی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کو خدائے واحد پر ایمان لانا چاہئے اسے ہی اپنا مقصود اور مطلوب بنانا چاہئے جب قرآن مجید کے حکم کے مطابق اللہ نے تمام زمین و آسمانوں کو انسان کے واسطے پیدا فرمایا ہے تو انسان کو غور کرنا چاہئے کہ میں خود کس کے لئے ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یہی ہے کہ میں اللہ کے لئے ہوں پس مجھے اس سے محبت کرنی چاہیے اس زاویہ نگاہ سے انسان میں عشق حقیقی کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ اللہ سے عشق کی حقیقی صورت یہی ہے کہ انسان عشق رسول ﷺ میں فنا ہو جائے اس عشق سے خودی مستحکم ہو جائے گی اور استحکام خودی سے انسان میں شان فقر پیدا ہو جائے گی اور فقر مومن کی بدولت کائنات کو مسخر کر سکتا ہے۔ الغرض توحید کا عقیدہ قوت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے جس کی بدولت مومن میں بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے لیکن افسوس کہ اس نکتہ کو مسلمانوں نے فراموش کر دیا اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ توحید اللہ کی وحدت کے محض زبانی اعتراف کا نام ہے اس غلط فہمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ چین سے مراکش تک سارے کے سارے

مسلمان غلامی میں مبتلا ہو گئے یعنی تسخیر کرنے والے خود مسخر ہو گئے مسلمان محکوم ہو گئے 46 لاکھ مربع میل رقبہ پر حکمرانی کرنے والی قوم جس کی تقدیر کا ستارہ عروج ثریا پر چمکتا تھا آج تمام دنیا میں کفار کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو رہی ہے مادی دنیا کی پرستش کرنے سے اس کے ولولے سرد پڑ گئے ہیں' سست کوشی نے اس کو ناکارہ اور ہڈ حرام بنا دیا ہے۔ اقبال کی تعلیم یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محض زبان سے ادا کرنا کافی نہیں زبان کے ساتھ ساتھ دل سے بھی کہنا چاہئے تاکہ قائل کے اندر قوت پیدا ہو سکے۔

لا الہ گوئی ؟ بگو از روئے جاں
تاز اندام تو آید بوئے جاں

شعر نمبر 3

نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

علامہ فرماتے ہیں اے غفلت میں گھرے ہوئے مسلمان تجلیات انوار الٰہی ہر جگہ اور ہر لحظہ کار فرما ہیں اگر تو ان سے مستفید نہیں ہو سکتا تو اس میں ان تجلیات کا قصور نہیں بلکہ تیری بے بصری کا فتور ہے کہ تو نے ان کو دیکھنے کے لئے نگاہ پیدا ہی نہیں کی۔ جیسے جیسے کوئی مسلمان اپنے آپ کو نبی مکرم و محترم ﷺ کی پیروی میں لگاتا جائے گا اسی لحاظ سے اس کو معرفت ذات کبریا حاصل ہوتی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوقات سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہو سکتا اس نے آیت الکرسی میں اپنی اس صفت کی بھی وضاحت فرما دی ہے کہ اللہ وہ ہے کہ نہ وہ سوتا ہے اور نہ اس کو اونگھ آتی ہے اگر اس کائنات پر سے ایک سیکنڈ کے لاکھویں حصہ کے لئے بھی اسماء ذات الٰہی کی تجلیات کا سلسلہ بند ہو جائے تو یہ ساری کائنات بالکل معدوم ہو جائے۔ کہتے ہیں اگر دریا اپنی موج سے بیگانہ ہو جائے تو اس کا وجود ہی ختم ہو جائے کیونکہ موجود کا وجود' دریا کے وجود پر موقوف ہے اسی طرح اگر خدا کائنات سے بیگانہ ہو جائے تو کائنات کا وجود ختم ہو جائے یعنی انسان کا وجود ختم ہو جائے کیونکہ کائنات کا وجود ظلی ہے یعنی وہ محض اللہ تعالیٰ کی تجلی اسماء و صفات کی بدولت موجود ہے بذات خود اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اب اگر کائنات ختم ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کی صفات ربوبیت ختم ہو گئیں اور یہ ناممکن ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ خدا اپنی مخلوقات سے بیگانہ نہیں رہ سکتا اسی لئے تو انسان اور کائنات بالکل ختم نہیں ہو سکتے۔ اسلام میں ثبوت دے دیا گیا ہے کہ آدمی دنیا سے مقررہ وقت پر چلا جاتا ہے تو اس کا یہ تصور کے وہ ختم ہو گیا ہے کافرانہ اور مشرکانہ ہے بلکہ وہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی میں چلا جاتا ہے اس نقطہ کو حکیم الامت علامہ اقبال نے

اس طرح پیش کیا ہے

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

شعر نمبر4

رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں علم اور عرفان' فلسفہ اور عشق' شریعت اور طریقت یا مذہب اور تصوف کو عام طور پر ایک دوسرے کی ضد سمجھا جاتا ہے اس کا باعث کم نظر' تنگ نظر' کم فہم اور حقیقی اساس دین سے ناآشنا علماء حضرات ہیں۔ درحقیقت شریعت اور طریقت میں کوئی تضاد اور مخالفت نہیں ہے دنیا میں ہر شے کا ایک ظاہر ہوتا ہے' جسے جسم سے تشبیہ دے سکتے ہیں دوسرا باطن ہوتا ہے جسے روح سے تعبیر کر سکتے ہیں شریعت ظاہر کو مدنظر رکھتی ہے طریقت اسی شے کے باطن پر اپنی توجہ مبذول کرتی ہے مثلاً" شریعت حکم دیتی ہے کہ نماز پڑھو' روزہ رکھو وغیرہ وغیرہ اب اگر ایک شخص نماز پڑھتا ہے تو حامی شرع اور عالم دین مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس نے شریعت کا تقاضا پورا کر دیا لیکن حامی طریقت اس سے آگے بڑھتا ہے کہ اگر بوقت نماز حضوری قلب جو اس کا باطن ہے حاصل نہ ہو تو نماز تو ہو گئی لیکن کامل نہیں ہوئی یعنی اسی نماز سے حضور مکرم ﷺ کے اقوال کے مطابق اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا' بے شک رکوع' سجدہ' قیام یہ ارکان نماز بھی ضروری ہیں لیکن یہ سب ظاہر امور ہیں نماز کا باطن نہیں ہیں اس لئے ظاہر کے ساتھ ساتھ باطن کی طرف بھی توجہ دینی ضروری ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

بڑے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ دور حاضر میں نمازیوں کی اکثریت ہے روزہ داروں کی کثرت ہے یعنی عبادات تو عام ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ جرائم' برائیاں اور گناہ بھی اپنے عروج پر ہیں۔ جیسے جیسے عبادات میں سرگرمی آ رہی ہے بدیوں اور برائیوں کا گراف بھی دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے بعض لوگ باوجود نمازی ہونے کے دنیا بھر کے جھوٹے' چور اور دغاباز ہوتے ہیں رشوت لیتے ہیں' کم تولتے ہیں' کم ناپتے ہیں' چور بازاری کرتے ہیں' غیبت کرتے اور چغلیاں کھاتے ہیں وعدہ کر کے کبھی پورا نہیں کرتے مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں ان کی نماز نماز ہی نہیں ہوتی وہ یا تو ریاکاری سے

محض دنیا دکھاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں یا پھر ان کی نماز فقط رسمی ہوتی ہے جس میں نہ خلوص ہوتا ہے نہ خشوع و خضوع نہ یاد باری تعالیٰ ہی ہے یہی وہ نمازی ہیں جن کی نمازیں قیامت کے روز ان کے منہ پر ماری جائیں گی اور کسی کام نہ آئیں گی دراصل شریعت کی اصل کو دریافت کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت ہے چنانچہ ارباب طریقت، شریعت سے کسی حالت میں بھی غافل نہیں ہونے پاتے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کر دی
کمیاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ
ملاء کم نظر نے امت میں پھوٹ ڈالی
تسبیح مصطفیٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ

حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں۔

اوہ کردے وضو اسم اعظم دا جھڑے دریا وحدت وچ نہاتے ہو
تد تھین قبول نمازاں باہو جد یاراں یار پچھاتے ہو

شعر نمبر5

خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا

علامہ اقبال فرماتے ہیں ایک متقی مسلمان خواہ وہ برسراقتدار ہو یا محکوم ہو یعنی غلامی کی حالت میں ہو اگر اس میں اہل دنیا سے بے نیازی کی شان موجود ہے تو وہ دونوں حالتوں میں اپنے ایمان کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ حالت اسلام میں اللہ کے سوا کسی اور کو حاجت روا، مشکل کشا اور مالک و خالق نہ ماننا ہی اسلام کی اساس اور ایمان کی نشانی ہوتی ہے پس جو مسلمان خواہ وہ حاکم ہو یا محکوم ہر حال میں صرف اللہ کو اپنا حاجت روا سمجھتا ہے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا اسی حالت میں وہ شرک سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مسلمان کے پاس متاع زندگی میں سب سے قیمتی اثاثہ انا اور خودداری ہوتا ہے اور سوال اس کو کمزور کرتا ہے علامہ فرماتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل مسلمان قوم میں بے نیازی اور خودداری کا نام و نشان مفقود ہو کر

رہ گیا ہے انہیں اپنے رب پر بالکل توکل نہیں رہا کیونکہ وہ حقیقی مالک و خالق کو بھلا کر کبھی امریکہ بہادر کے در پر جا کر دست سوال کرتے ہیں تو کبھی کاسہ گدائی لے کر برطانیہ اور فرانس کے در پر چلے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے قدرت کاملہ نے ہم سے اپنا رخ موڑ لیا ہے اور تمام اہل اسلام تمام تر وسائل کے ہوتے ہوئے بھی تمام دنیا میں ذلیل و خوار و رسوا ہو رہے ہیں اگر آج بھی ہم اپنا مکمل بھروسہ اللہ کی ذات پر قائم کرلیں تو تمام محرومیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کا سرچشمہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کو عطا فرمایا اور تمام اسلامی ممالک کو سارے کے سارے معدنی وسائل اور خزانوں سے نواز دیا لیکن اس کے باوجود ہماری غربت اور تنگدستی میں فرق نہیں آیا اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اللہ سے منہ موڑ لیا اللہ کے قرآن کو فراموش کر دیا اس کے محبوب نبی مکرم و محترم کے فرمودات کو پس پشت ڈال دیا۔ اپنے پیارے نبی ﷺ کے فدائیوں کی تقلید کرنا چھوڑ دی۔ اسی وجہ سے خدا کے غضب نے ہمارا گھر پہچان لیا اور ذلت اور خواری ہمارا مقدر بن گئی۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

اسلام کا صرف زبانی کلامی دعویٰ کرنے والے مسلمان بھائیو!! اگر ہم نے اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ حاصل کرنا ہے اپنے وقار کو بلند کرنا ہے تمام دنیا میں عزت اور آزادی کی منزل کو دوبارہ پانا ہے سلطنت اسلامی کی سرحدوں کو وسیع کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اسلام کو اپنے قلوب میں داخل کرنا پڑے گا۔ اسلام قربانی کا طلب گار ہے جب قوم میں قربانی کا حقیقی جذبہ موجزن ہو جائے تو تمام شعبوں میں کامیابیاں اور کامرانیاں اس کا مقدر بن جاتی ہیں اور تمام خدائی قوتیں اس کی ہم رکاب ہوتی ہیں۔ اسلام سربلندی اور عزت کا نام ہے۔ قرآن اور اتباع رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو کر عظمت اور وقار کی منزل کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔

رب کریم نے سورۃ النور میں فرمایا ہے "اور جو شخص اللہ اور رسول ﷺ کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے لوگ کامیاب ہونگے"

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

مسلمان کے لئے علم کی ضرورت

(الحاج محمد حسین چھل)

ہر مسلمان سچے دل سے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت اسلام ہے۔ ہر مسلمان اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ کی امت میں اسے شامل کیا اور اسلام کی نعمت اس کو عطا کی۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اس کا بندوں پر سب سے بڑا انعام قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا "یعنی آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اس بات کو پسند کر لیا کہ تمہارا دین اسلام ہو"۔ یہ احسان جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا ہے اس کا حق ادا کرنا آپ پر فرض ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کے احسان کا حق ادا نہیں کرتا وہ احسان فراموش ہوتا ہے۔ خدا کے احسان کا حق یہ ہے کہ جب خدا نے آپ کو امت محمدیہ میں شامل کیا ہے۔ آپ حضور اقدس محمد ﷺ کے پورے پیروکار نہیں۔ اگر کوئی شخص مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور وہ اسلام کی پیروی چھوڑ دے تو مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو جائے گا۔ چاہے وہ سید کا بیٹا ہو یا پٹھان کا۔ اسلام علم کا نام ہے اور علم کے بعد عمل کا نام ہے ہر شخص جو مسلمانوں کے سے کپڑے پہنتا ہے حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہے۔ مسلمان درحقیقت وہ شخص ہے جو اسلام کو جانتا ہے اور جان کر اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ اسے معلوم ہو کہ خداوند عالم سے اس کا کیا تعلق ہے اور خالق کی مرضی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا سیدھا راستہ کیا ہے۔ ورنہ مسلمان کے بچے اور ایک کافر کے بچے کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کی یہ سب سے بڑی نعمت ہے اس کا حاصل ہونا نہ ہونا علم پر موقوف ہے۔ اگر علم نہ ہو تو یہ نعمت آدمی کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور اگر تھوڑی بہت ہو بھی جائے تو جہالت کی بناء پر ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ یہ عظیم الشان نعمت اس کے ہاتھ سے چلی جائے گی۔ اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو اور راستے میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اسے بھٹکا کر کہیں کا کہیں لے جائے۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی لئے تو پیش آتے ہیں کہ اس کے پاس روشنی نہیں ہے اگر اس کے پاس علم کی روشنی ہو تو ظاہر ہے وہ نہ راستہ

بھولے گا اور نہ کوئی دوسرا اس کو بھٹکا سکے گا۔ ثابت ہوا کہ مسلمان کے لئے سب سے بڑا خطرہ اس کا اسلام کی تعلیم سے ناواقفیت ہے۔ وہ خود نہ جانتا ہو کہ قرآن کریم کیا سکھاتا ہے اور محمد ﷺ کیا ہدایت دے گئے ہیں۔ اس جہالت کی وجہ سے وہ خود بھی بھٹک سکتا ہے اور دوسرے دجال بھی اس کو بھٹکا سکتے ہیں۔ تم اپنی کھیتی باڑی کے کام میں غفلت نہیں کرتے۔ اپنے مویشیوں کو چارہ ڈالنے میں غفلت نہیں کرتے۔ اپنے کاروبار اور پیسے میں غفلت نہیں کرتے۔ کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو بھوکے مر جاؤ گے۔ مگر اس علم کو حاصل کرنے میں غفلت کرتے ہو جس سے تمہارے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ہے۔ اور کاموں پر جتنا وقت صرف کرتے ہو اس وقت اور محنت کا دسواں بھی ایمان کی حفاظت کرنے والی چیز کے لئے صرف نہیں کر سکتے۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ تم میں سے ہر شخص مولوی بنے۔ بڑی کتابیں پڑھے اور اپنی عمر کے دس بارہ سال پڑھنے میں صرف کر دے۔ مسلمان بننے کے لئے اتنا پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ تم میں ہر شخص رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں سے صرف ایک گھنٹہ علم دین سیکھنے میں صرف کرے۔ کم از کم اتنا علم ہر مسلمان بچے اور بوڑھے اور جوان کو حاصل ہونا چاہئے کہ قرآن جس مقصد کے لئے اور جو تعلیم لیکر آیا ہے اس کا لب لباب جان لے۔ نبی ﷺ جس چیز کو مٹانے کے لئے اور اس کی جگہ جو چیز قائم کرنے کے لئے تشریف لائے تھے اس کو خوب پہچان لے اور اس خاص طریق زندگی سے واقف ہو جائے جو اللہ نے مسلمانوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ نکالنا مشکل نہیں۔ وما علینا الا البلاغ المبین

علم کیمیا اور سونا

(حجتہ الاسلام امام محمد الغزالیؒ)

گذشتہ بیانات سے تمہیں بندگی کی اصلیت معلوم ہو گئی ہو گی اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ صوفیوں کی راہ کیا ہے۔ تم نے یہ سنا ہو گا کہ صوفیا کرام کہتے ہیں کہ علم اس راہ کی آڑ ہے اور تم نے اس کا انکار کیا ہو گا حالانکہ تمہیں انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ صوفیا کا یہ کہنا بالکل صحیح اور حق ہے۔ اس لئے کہ اگر تو محسوسات اور ان کے علم کے ساتھ مشغول رہے گا تو یہ شغل پردہ اور حجاب بن جائے گا۔ جہاں تک دل کا تعلق ہے وہ حوض کی مانند ہے اور حواس گویا پانچ نہریں ہیں جن کے ذریعے حوض میں پانی جاتا ہے۔ اگر تو یہ چاہے کہ حوض کی تہہ سے صاف پانی کا چشمہ نکلے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو پانی باہر سے حوض میں آتا ہے اور جس کے سبب کیچڑ جمع ہوتا ہے اسے حوض سے نکال دے اور نہروں کا راستہ بند کر دے تاکہ باہر سے پانی نہ جانے پائے۔ پھر حوض کو کھود تاکہ اس کی تہہ سے صاف پانی نکلے۔ یاد رکھ جب تک بیرونی پانی حوض میں بھرا رہے گا ممکن نہیں کہ اس کی تہ سے پانی نکل سکے۔

اسی طرح جب تک باہر والے علم سے دل خالی نہ ہو گا اندرونی علم پیدا نہیں ہو سکے گا۔ ہاں اگر کوئی عالم اپنے آپ کو سیکھے ہوئے علم سے خالی کر لے اور اس کے ساتھ مشغول نہ رہے تب وہ علم حجاب نہیں ہو گا اور ممکن ہے اس عالم کو کشف حاصل ہو جائے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص محسوسات کے خیال سے اپنا دل خالی کر لے یعنی انہیں نفی کر دے تب وہ خیالات بھی حجاب نہ ہونگے۔ حجاب کا سبب یہ ہے کہ مثلاً" کسی شخص نے اہلسنت کے عقائد و معتقدات سیکھے اور گفتگو اور مباحثہ کے لئے دلائل بھی سیکھے اور اپنے آپ کو اس کے لئے وقف کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ اس علم کے سوا دوسرا کوئی علم نہیں ہے تو اب اس کے دل میں جو آئے گا تو وہ یہی کہے گا کہ جو کچھ میں نے سیکھا ہے یہ اس کے خلاف ہے اور چونکہ اس کے خلاف ہے لہٰذا باطل ہے تو ایسے آدمی کو کاموں کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ جو معتقدات لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ حقیقت

نہیں بلکہ ڈھانچہ ہیں۔ حقیقت اور پوری معرفت وہ ہے کہ حقائق ڈھانچے سے ایسے کھل جائیں جیسے ہڈی سے گودا۔

اے پیارے تجھے جاننا چاہئے کہ جو عالم عقائد کی تائید کے لئے جھگڑنے کا طریقہ سیکھتا ہے اس پر کوئی حقیقت نہیں کھلتی۔ جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ تمام علوم تو میں جانتا ہوں تو یہ خیال اور سمجھ اس کے لئے حجاب بن جاتی ہے اور چونکہ یہ سمجھ اس پر غالب ہوتی ہے اس لئے ایسے لوگ اس درجہ سے محروم رہتے ہیں اور جو عالم اس سمجھ کو دور کرلے اس کا علم اس کے لئے رکاوٹ نہیں ہو گا بلکہ کشف اسے نصیب ہو جائیگا اور اس کا درجہ کامل ہو گا اور اس کی راہ اس شخص کی راہ سے بہت سیدھی ہوگی جس کا قدم علم میں پہلے سے مضبوط نہ ہو اور مدت تک باطل خیال میں پھنسا رہا ہو اور تھوڑا سا شبہ بھی اس کے لئے آڑ بن جائے بخلاف عالم کے وہ ایسے خطرات سے بے خوف ہوتا ہے۔

اے پیارے! اگر تو کسی صاحب کشف سے سنے کہ علم آڑ اور حجاب ہے تو اس سے اس کے معنی سمجھنا چاہئے نہ کہ اس کا انکار کرنا چاہیے۔ لیکن غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والے جھوٹے صوفی اور نفس پرست لوگ جو اس زمانہ میں آموجود ہوئے ہیں انکا یہ حال بالکل نہیں۔ انہوں نے صوفیوں کی بتائی ہوئی بعض واہیات باتیں سیکھی ہیں۔ ان لوگوں کا شغل یہ ہے کہ سارا دن اپنے آپ کو دھوتے ہیں 'لنگ' گودڑی اور جانماز سے اپنے آپ کو آراستہ کرکے علم اور علماء کی مذمت کرتے ہیں یہ لوگ قابل قتل ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ انسانوں کے شیطان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے علم اور علماء کی تعریف کی ہے اور سارے جہان کو دعوت دی ہے۔ یہ بدبخت نہ صاحب حال ہوتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے علم سیکھا ہوتا ہے تو انہیں علم اور علماء کی برائی کرنا کیسے جائز ہے۔ اس بدبخت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے سنا ہو کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ کیمیا سے بے انتہا سونا ہاتھ آتا ہے اور جب سونے کا خزانہ اس کے سامنے رکھیں تو وہ ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ سونا کس کام کا؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ مجھے تو کیمیا چاہیے جو سونے کی اصل ہے اور وہ سونا نہ لے۔ اور کیمیا اس نے دیکھی ہو اور نہ ہی وہ اسے جانتا ہو تو ایسا شخص بدبخت ہونے کے ساتھ ساتھ بھوکا اور مفلس بھی رہتا ہے اور محض اس

بات سے خوش رہتا ہے کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے۔ اس لئے یاد رکھو کہ انبیاء اور اولیاء کا کشف تو کیمیا کی مانند اور علماء کا علم سونے کی مانند اور کیمیا کے مالک کو سونے کے مالک پر فوقیت حاصل ہے۔

لیکن یہاں ایک اور نکتہ بھی ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا ہی کیمیا ہو جس سے سونے کے سو دینار سے زیادہ حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو ایسے شخص کو اس شخص پر کوئی فضیلت حاصل نہیں جس کے پاس سونے کے ہزار دینار موجود ہیں۔ اور جیسا کہ کیمیا کی کتابیں اور باتیں نیز اس کی تلاش و جستجو تو بہت ہے لیکن اس زمانے میں اس کی حقیقت کمیاب ہے اور اکثر تلاش و جستجو کرنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں ایسا ہی حال صوفیوں کا ہے۔ اصل صوفی پن ان لوگوں میں ہے نہیں اور جو ہے وہ بہت تھوڑا اور درجہ کمال کو پہنچیں یہ بہت ہی کم ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ جو کوئی تھوڑا سا صوفی ہو اسے ہر عالم پر فضیلت نہیں۔ کیونکہ اس میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ ابتدا میں کچھ خلل ان پر ظاہر ہوتا ہے اس وقت اس درجہ سے گر پڑتے ہیں اور مقام کمال کو نہیں پہنچتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سودا اور خیال خام ان پر غالب ہوتا ہے جس کی اصل نہیں اور وہ اسے ہی حق سمجھنا شروع کر دیتے ہیں جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ جیسا خواب میں اصل حقائق بھی نظر آتے ہیں اور واہیات خیالات بھی۔ اسی طرح اس خیال میں بھی یوں ہی ہوتا ہے عالموں پر صرف اس صوفی کو فضیلت حاصل ہے جو اس حال میں ایسا کامل ہو کہ جو علم دین دوسروں سے سیکھنے پر حاصل ہوتا ہے وہ بغیر سیکھے اس علم کو جان لے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

تو تمہیں چاہیے کہ اے پیارے کہ تصوف کی راہ اور صوفیوں کی بزرگی کو تو تسلیم کر اور اس زمانہ کے جھوٹے مدعیان تصوف کے سبب ان اصلی صوفیوں سے بدگمان نہ ہو اور ان میں سے جو علم اور اہل علم پر طعنہ زنی کرے تو تو سمجھ لے کہ وہ نادان ہے۔

دعا کے آداب (حصہ دوئم)

(حافظ محمد یاسین)

(6)- دعا، چپکے چپکے دھیمی آواز میں مانگئے۔ خدا کے حضور ضرور گڑگڑائیے لیکن اس کی گریہ و زاری کی نمائش ہرگز نہ کیجئے۔ بندے کی عاجزی اور انکساری اور فریاد صرف خدا کے سامنے ہونی چاہیے۔

بلا شبہ بعض اوقات دعا زور زور سے بھی کر سکتے ہیں لیکن یا تو تنہائی میں ایسا کیجئے یا پھر جب اجتماعی دعا کر رہے ہوں تو اس وقت بلند آواز سے دعا کیجئے تاکہ دوسرے لوگ آمین کہیں۔ عام حالات میں خاموشی کے ساتھ پست آواز میں دعا کیجئے اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیجئے کہ آپ کی گریہ و زاری اور فریاد بندوں کو دکھانے کے لئے ہرگز نہ ہو۔

(7) دعا کرنے سے پہلے کوئی نیک عمل ضرور کیجئے، مثلاً" کچھ صدقہ و خیرات کیجئے، کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیجئے یا نفلی نمازوں اور روزوں کا اہتمام کیجئے اور اگر خدانخواستہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں تو اپنے ان اعمال کا واسطہ دے کر دعا کیجئے جو آپ نے پورے اخلاص کے ساتھ صرف خدا کے لئے کئے ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار تین ایسے اصحاب کا واقعہ سنایا جو ایک اندھیری رات میں ایک غار کے اندر پھنس گئے تھے ان لوگوں نے اپنے مخلصانہ عمل کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کی اور خدا نے ان کی مصیبت کو دور فرما دیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ تین ساتھیوں نے ایک رات ایک غار میں پناہ لی، خدا کا کرنا پہاڑ سے ایک چٹان پھسل کر غار کے منہ پر آ پڑی اور غار بند ہو گیا۔

دیو قامت چٹان تھی، بھلا ان کے بس میں کہاں تھا کہ اس کو ہٹا کر غار کا منہ کھول دیں۔ مشورہ یہ ہوا کہ اپنی اپنی زندگی کے مخلصانہ عمل کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کی جائے کیا عجب کہ خدا سن لے اور اس مصیبت سے نجات مل جائے۔ چنانچہ ایک نے کہا میں جنگل میں بکریاں چرایا کرتا تھا اور اس پر میرا گزارہ تھا جب میں جنگل سے واپس آیا تو سب سے پہلے اپنے بوڑھے ماں باپ کو دودھ پلاتا اور پھر اپنے بچوں کو۔ ایک دن میں دیر سے گھر آیا بوڑھے ماں باپ سو چکے تھے۔ بچے جاگ رہے تھے اور بھوکے تھے لیکن میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو پلاؤں اور یہ بھی

گوارا نہ کیا کہ والدین کو جگا کر تکلیف پہنچاؤں۔ چنانچہ میں رات بھر دودھ کا پیالہ لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا بچے میرے پیروں میں چمٹ چمٹ کر روتے رہے لیکن میں صبح تک اس طرح کھڑا رہا۔ خدایا میں نے یہ عمل خالص تیری خاطر کیا تو اس کی برکت سے غار کے منہ سے چٹان ہٹا دے اور چٹان اتنی ہٹ گئی کہ آسمان نظر آنے لگا۔

دوسرے نے کہا میں نے کچھ مزدوروں سے کام لیا اور سب کو مزدوری دے دی لیکن ایک شخص اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا کچھ عرصے کے بعد جب وہ مزدوری لینے آیا تو میں نے اس سے کہا کہ یہ گائیں، بکریاں اور یہ نوکر چاکر سب تمہارے ہیں لے جاؤ۔ وہ بولا خدا کے لئے مذاق نہ کرو، میں نے کہا مذاق نہیں واقعی یہ سب کچھ تمہارا ہے تم جو رقم چھوڑ کر گئے تھے میں نے ان کو کاروبار میں لگایا خدا نے اس میں برکت دی اور یہ جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب اسی سے حاصل ہوا ہے، یہ تم اطمینان کے ساتھ لے جاؤ سب کچھ تمہارا ہے اور وہ شخص سب کچھ لے کر چلا گیا خدایا یہ میں نے محض تیری رضا کے لئے کیا خدایا تو اس کی برکت سے غار کے منہ سے اس چٹان کو دور فرما دے۔ خدا کے کرم سے چٹان اور ہٹ گئی۔

تیسرے نے کہا میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے مجھ کو غیر معمولی محبت ہو گئی تھی، اس نے کچھ رقم مہیا کر دی، لیکن جب میں اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس کے پاس بیٹھا تو اس نے کہا خدا سے ڈرو اور اس کام سے باز رہو۔ میں فوراً اٹھ بیٹھا اور میں نے وہ رقم بھی اس کو بخش دی، اے خدا تو خوب جانتا ہے کہ میں نے یہ سب محض تیری خوشنودی کے لئے کیا خدایا! تو اس کی برکت سے غار کے منہ کو کھول دے۔ خدا نے غار کے منہ سے چٹان ہٹا دی اور تینوں کو خدا نے اس مصیبت سے نجات بخشی۔

(8) نیک مقاصد کے لئے دعا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو خدا کی ہدایت کے مطابق سنوارنے اور سدھارنے کی بھی کوشش کیجئے۔ گناہ اور حرام سے پوری طرح پرہیز کیجئے۔ ہر کام میں خدا کی ہدایت کا پاس و لحاظ کیجئے اور پرہیز گاری کی زندگی گزاریئے۔ حرام کھا کر، حرام پی کر، حرام پہن کر اور بے باکی کے ساتھ حرام کے مال سے اپنے جسم کو پال کر دعا کرنے والا یہ آرزو کرے کہ خدا میری دعا قبول ہو، تو یہ زبردست نادانی اور ڈھٹائی ہے دعا کو قابل قبول بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کا قول و عمل بھی دین کی ہدایت کے مطابق ہو۔

نبی پاک ﷺ نے فرمایا "خدا پاکیزہ ہے اور وہ صرف پاکیزہ مال ہی کو قبول کرتا ہے" خدا نے

مومنوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے' جس کا اس نے رسولوں کو حکم دیا ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے۔

ترجمہ! "اے رسولو! پاکیزہ روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو"

اور مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے اس نے کہا۔

ترجمہ! "اے ایمان والو! "جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں وہ کھاؤ"

پھر آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبی مسافت طے کر کے مقدس مقام پر حاضری دیتا ہے' غبار میں اٹا ہوا ہے' گرد آلود ہے اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہتا ہے اے میرے رب' اے میرے رب' حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس حرام ہے اور حرام ہی سے اس کے جسم کی نشو و نما ہوئی ہے تو ایسے شخص کی دعا بھلا کیوں کر قبول ہو سکتی ہے۔ (صحیح مسلم)

(9)! برابر دعا کرتے رہیے۔ خدا کے حضور اپنی عاجزی' احتیاج اور عبودیت کا اظہار خود ایک عبادت ہے' خدا نے خود دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ بندہ جب مجھے پکارتا ہے' تو میں اس کی پکار سنتا ہوں' دعا کرنے سے کبھی نہ اکتایئے اور اس چکر میں کبھی نہ پڑیئے کہ دعا سے تقدیر بدلے گی یا نہیں تقدیر کا بدلنا یا نہ بدلنا' دعا قبول کرنا یا نہ کرنا خدا کا کام ہے' جو علیم و حکیم ہے' بندے کا کام بہر حال یہ ہے کہ وہ ایک فقیر و محتاج کی طرح برابر اس سے دعا کرتا رہے اور لمحہ بھر کے لئے بھی خود کو بے نیاز نہ سمجھے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"سب سے بڑا عاجز وہ ہے جو دعا کرنے میں عاجز ہے" (طبرانی)

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا کے نزدیک دعا سے زیادہ عزت و اکرام والی چیز اور کوئی نہیں ہے" (ترمذی)

مومن کی شان ہی یہ ہے کہ وہ رنج و راحت' دکھ اور سکھ' تنگی اور خوشحالی' مصیبت و آرام ہر حال میں خدا ہی کو پکارتا ہے' اسی کے حضور اپنی حاجتیں رکھتا ہے اور برابر اس سے خیر کی دعا کرتا رہتا ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے

"جو شخص خدا سے دعا نہیں کرتا۔ خدا اس پر غضبناک ہوتا ہے" (ترمذی)

(10)! دعا کی قبولیت کے معاملے میں خدا پر پورا بھروسہ رکھیئے اور اگر دعا کی قبولیت کے

اثرات جلد ظاہر نہ ہو رہے ہوں، تو مایوس ہو کر دعا چھوڑ دینے کی غلطی کبھی نہ کیجئے۔ قبولیت دعا کی فکر میں پریشان ہونے کی بجائے صرف دعا مانگنے کی فکر کیجئے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ "مجھے دعا قبول ہونے کی فکر نہیں ہے مجھے صرف دعا مانگنے کی فکر ہے جب مجھے دعا مانگنے کی توفیق ہو گئی تو قبولیت بھی اس کے ساتھ حاصل ہو جائے گی"

نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جب کوئی مسلمان خدا سے کچھ مانگنے کے لئے خدا کی طرف منہ اٹھاتا ہے تو خدا اس کا سوال ضرور پورا کر دیتا ہے، یا تو اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے، یا خدا اس کے لئے اس کی مانگی ہوئی چیز کو آخرت کے لئے جمع فرما دیتا ہے، قیامت کے دن خدا ایک بندہ مومن کو اپنے حضور طلب فرمائے گا اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھے گا۔ اے میرے بندے میں نے تجھے دعا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تیری دعا کو قبول کروں گا۔ تو کیا تو نے دعا مانگی تھی؟ وہ کہے گا "پروردگار مانگی تھی" پھر خدا فرمائے گا۔ تو نے مجھ سے جو دعا مانگی تھی میں نے وہ قبول کی، کیا تو نے فلاں دن یہ دعا نہ کی تھی کہ میں تیرا وہ رنج و غم دور کر دوں جس میں تو مبتلا تھا۔

اور میں نے تجھے اس رنج و غم سے نجات بخشی تھی؟ بندہ کہے گا۔ بالکل سچ ہے پروردگار پھر خدا فرمائے گا۔ وہ دعا تو میں نے قبول کر کے دنیا ہی میں تیری آرزو پور کر دی تھی اور فلاں روز پھر تو نے دوسرے غم میں مبتلا ہونے پر دعا کی کہ خدایا اس مصیبت سے نجات دے مگر تو نے اس رنج و غم سے نجات نہ پائی اور برابر اس میں مبتلا رہا تھا، "وہ کہے گا" بے شک پروردگار۔ تو خدا فرمائے گا "میں نے اس دعا کے عوض جنت میں تیرے لئے طرح طرح کی نعمتیں جمع کر رکھی ہیں" اور اسی طرح دوسری حاجتوں کے بارے میں بھی دریافت کر کے یہی فرمائے گا"

پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

بندہ مومن کی کوئی دعا ایسی نہ ہو گی جس کے بارے میں خدا یہ بیان نہ فرما دے کہ میں نے دنیا میں قبول کی اور یہ تمہاری آخرت کے لئے ذخیرہ کر کے رکھی۔ اس وقت بندہ مومن سوچے گا کہ کاش میری کوئی دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوتی۔ اس لئے بندے کو ہر حال میں دعا مانگتے رہنا چاہیے"

11۔ دعا مانگتے وقت ظاہری آداب، طہارت و پاکیزگی کا بھی پورا پورا خیال رکھیے اور قلب کو بھی ناپاک جذبات گندے خیالات اور بے ہودہ معتقدات سے پاک رکھیے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

بے شک خدا کے محبوب وہ بندے ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرتے ہیں اور وہ بندے ہیں جو نہایت پاک و صاف رہتے ہیں۔

12۔ دوسروں کے لئے بھی دعا کیجئے۔ لیکن ہمیشہ اپنی ذات سے شروع کیجئے۔ پہلے اپنے لئے مانگئے پھر دوسروں کے لئے قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی دو دعائیں نقل کی گئی ہیں جن سے یہی سبق ملتا ہے۔

ترجمہ! "اے میرے رب مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں۔ پروردگار میری دعا قبول فرما۔ پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین اور سارے مسلمانوں کو اس دن معاف فرمادے جب کہ حساب قائم ہو گا۔

ترجمہ! میرے رب! میری مغفرت فرما اور میرے ماں باپ کی مغفرت فرما۔ اور ان مومنوں کی مغفرت فرما جو ایمان لاکر میرے گھر میں داخل ہوئے اور سارے ہی مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما۔

حضرت ابی ابن کعب ؓ فرماتے ہیں۔

"نبی پاک ﷺ جب کسی شخص کا ذکر فرماتے تو اس کے لئے دعا کرتے اور دعا اپنی ذات سے شروع کرتے" (ترمذی)

(13)! اگر آپ امامت کر رہے ہوں تو ہمیشہ جامع دعائیں مانگئے اور جمع کے صیغے استعمال کیجئے۔ قرآن پاک میں جو دعائیں نقل کی گئی ہیں' ان میں بالعموم جمع ہی کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں۔

امام دراصل سب مقتدیوں کا نمائندہ ہے' جب وہ جمع کے صیغوں میں دعا مانگے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ آمین کہتے جائیں۔

(14)! دعا میں تنگ نظری اور خود غرضی سے بھی بچئے اور خدا کی رحمت عام کو محدود سمجھنے کی غلطی کر کے اس کے فیض و بخشش کو اپنے لئے خاص کرنے کی دعا نہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی میں ایک بدو آیا' اس نے نماز پڑھی' پھر دعا مانگی اور کہا اے خدا مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ کسی اور پر رحم نہ فرما۔ تو نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔

"تو نے خدا کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا" (بخاری) (جاری ہے) (ماخوذ از آداب بندگی)

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالٰی کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالٰی نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جارہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرسکتے ہیں؟

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل